لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

ادب پر کوئی بندش نہیں

ادب ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اس کو قبول کرے۔ حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہوا سے پسند کیا جائے، بلبل کو آپ پابند نہیں کر سکتے کہ اس پھول پر بیٹھے اِس پھول پر نہ بیٹھے، لیکن یہ کہاں کا حسن مذاق ہے اور یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی مے خانے کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں! کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمود اور اپنی جلوہ نمائی کے لیے مسجد کا سہارا لیا!؟

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

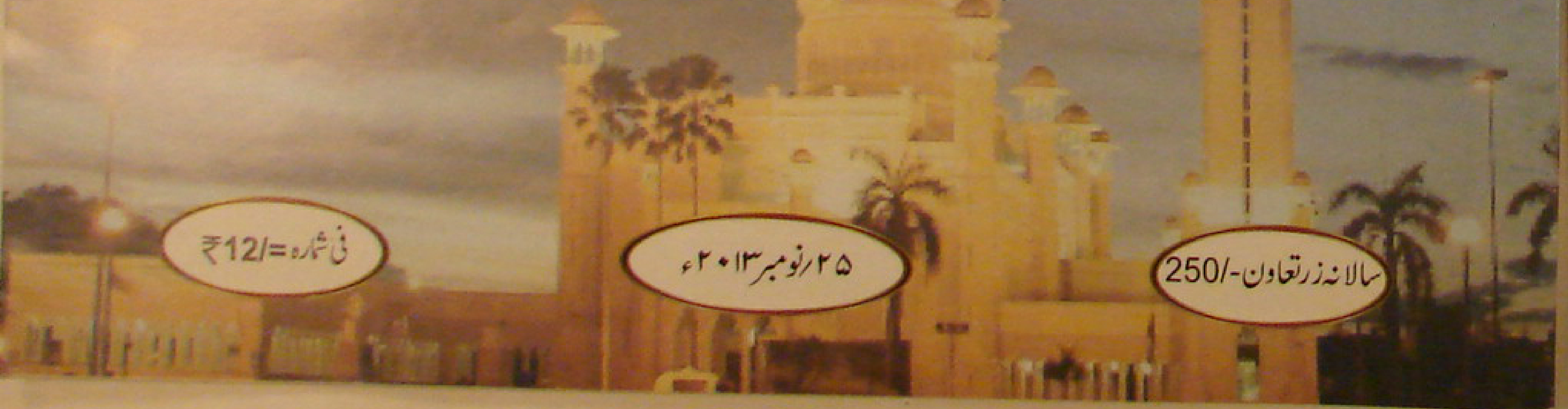

فی شمارہ =/12₹
۲۵ رنومبر ۲۰۱۳ء
سالانہ زرتعاون 250/-

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 51 Issue No.01

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in
10 November 2013

Booking Open

SAITECH GRACE
An Ideal House You Truly Deserve

2 BHK / 3 BHK & 4BHK
Premium Flats Available
at Affordable Prices

FACILITIES /AMENITIES
24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (stilt and basement) car parking space, Visitor's Parking.

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh,
Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000,
9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com
Site Office 485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ
خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دوکان :
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ
IZHARSON PERFUMERS اظہارسن پرفیومرس
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com
اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 7860632916
Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

جلد نمبر ۵۱ — ۲۵ نومبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ — شمارہ نمبر ۲

اس شمارے میں

شعر و ادب		
دانش وحکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم	شورش کاشمیری مرحوم	۲
اداریہ		
ادب اسلامی اور رب کی خوشنودی	شمس الحق ندوی	۳
ادب اسلامی		
اردو پر عربی زبان وادب کے اثرات	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵
دین و ادب		
ادب اسلامی۔اہمیت وافادیت	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۸
دین کامل		
افلاس اور اسلام	مولانا عبد الرحمٰن نگرامی ندویؒ	۱۰
عالم اسلام		
مسیحیت کے عالمی عزائم	ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ	۱۴
موجودہ المیہ		
فحاشی کو روکنے کی ضرورت	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	۱۸
نقوش تاباں		
......روشنی بخش دی زمانہ کو	مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی	۱۹
اسوۂ صحابہؓ		
حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ	ادارہ	۲۱
شمع ہدایت		
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	جاوید اختر ندوی	۲۵
تسخیر قلوب		
جنوبی امریکہ میں اشاعت اسلام	شفیق الاسلام فاروقی	۲۸
فقہ و فتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا خالد ندوی غازی پوری
- نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007

E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے -/50$ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں۔ بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم

شورش کاشمیری مرحوم

صفحۂ کاغذ پہ جب موتی لٹاتا ہے قلم
ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا ہے قلم

آنکھ کی جھپکی میں ہو جاتا ہے تیغِ بے پناہ
آنِ واحد میں حریفوں کو جھکاتا ہے قلم

آندھیوں کا سیل بن کر عرصۂ پیکار میں
زلزلوں کے روپ میں محلوں کو ڈھاتا ہے قلم

دوستوں کے حق کا پشتیباں خود اپنے زور پر
دشمنوں پر دشنۂ و خنجر چلاتا ہے قلم

بندگانِ علم و فن کی خلوتوں کا آشنا
ان کے فکر و فہم کی باتیں سناتا ہے قلم

یادگاروں کا محافظ تذکروں کا پاسباں
گم شدہ تاریخ کے اوراق لاتا ہے قلم

محفلوں میں عشق اس کے بانکپن کا خوشہ چیں
محملوں میں حسن سے آنکھیں لڑاتا ہے قلم

شاعروں کے والہانہ زمزموں کی آبرو
دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا ہے قلم

اہلِ دل ،اہلِ سخن، اہلِ نظر، اہلِ وفا
ان کے خد و خال کا نقشہ جماتا ہے قلم

برق بن کر ٹوٹتا ہے خرمنِ اغیار پر
دوستوں کے نام کا ڈنکا بجاتا ہے قلم

ہم نے اس کی معرفت دیکھا ہے عرش وفرش کو
آسمانوں کو زمینوں سے ملاتا ہے قلم

زندۂ جاوید ہوجاتے ہیں اس سے معرکے
حشر کے آثار قوموں میں اٹھاتا ہے قلم

کانپتے ہیں اس کی ہیبت سے سلاطینِ زمن
دبدبہ فرماں رواؤں پر بٹھاتا ہے قلم

حافظ و خیام و سعدی ، غالب و اقبال و میر
ماضی مرحوم میں ان سے ملاتا ہے قلم

شہسواروں کے جلو میں ہفتمیں افلاک پر
سربکف اسلاف کے پرچم اڑاتا ہے قلم

کیسی کیسی منزلوں میں رہنما اس کے نقوش
کیسے کیسے معرکوں میں دندناتا ہے قلم

شاعری میں اس سے قائم ہے خمِ گیسو کی آب
نثر میں اعجاز کے تیور دکھاتا ہے قلم

قطع کرنی پڑتی ہیں فکر و نظر کی وادیاں
تب کہیں شورش مرے قابو میں آتا ہے قلم

☆☆☆☆☆

اداریہ

ادب اسلامی اور رب کی خوشنودی

شمس الحق ندوی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور، لطیف جذبات واحساسات اور ذوق جمال عطا کیا ہے، وہ جب انھیں احساسات وجذبات اور افکار وخیالات کو بہتر سے بہتر اور موثر انداز سے الفاظ کے سانچہ میں ڈھالتا ہے، تو وہ ادب کا نام پاجاتا ہے، یہ ادب ہر ملک وقوم اور ہر زمانہ میں پایا جاتا رہا ہے، نظم ونثر دونوں ہی میں اس کو عروج وترقی حاصل ہوئی ہے، ادب چونکہ انسانی جذبات وخواہشات کے تابع رہا، اس لیے اس سے انسانیت کی تعمیر کا کام تو کم ہی لیا گیا، البتہ ہوس رانی اور تخریبی کاموں میں اسے خوب خوب استعمال کیا گیا، پھر یہ تخریب کا کام اتنا ہی تیز ہوتا گیا جتنے وسائل زندگی ترقی کرتے گئے، حتی کہ ہمارے موجودہ دور میں تو ادب نے جامۂ انسانیت کو تار تار ہی کر کے رکھ دیا، اس وقت بندۂ ہوس وزر کے ادیب کا قلم وہ سب کچھ لکھ سکتا ہے جس سے دولت حاصل ہوتی نظر آئے، اور ظاہر ہے کہ جب ادب کی غایت وغرض دولت اور شہرت کا حصول بن جائے تو ایسا ادب تعمیر کے بجائے انسانیت کی مٹی پلید کر کے رکھ دے گا۔

اس وقت دنیا میں ایسے ہی ادب اور ایسے ہی ادیبوں کا چلن ہے اور دنیا ایسے ہی ادیبوں کو ادیب مانتی ہے جو تخریب انسانیت کی خدمت انجام دیتے ہیں، اس وقت اخلاقی زوال وانحطاط کا جو طوفان بپا ہے اس میں انھیں ابن الوقت اور زر پرست ادباء کے پیش کردہ مخرب اخلاق لٹریچر کا بڑا حصہ ہے، یہی ادب آگے بڑھ کر ڈرامہ، ناول اور آرٹ کا روپ اپناتا ہے جو ایسے مناظر سامنے لاتا ہے کہ اگر انسان کی فطرت سلیمہ بالکل ہی مسخ نہ ہو چکی ہو تو اس پر نظر پڑتے ہی شرم وحیا سے اس کی نگاہیں جھک جاتی ہیں، اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

سفر خواہ ٹرینوں کا ہو یا بسوں اور جہازوں کا، وقت گذاری کے نام پر مسافروں کے ہاتھوں میں کوئی ایسی ہی کتاب یا رسالہ نظر آئے گا جو ذہنی عیاشی میں مست اور سرشار رکھتا ہے، اسٹیشنوں کے بک اسٹالوں پر نظر ڈالیے تو اکثر کتابوں اور رسالوں کے سرورق پر کسی کا فرادا کی پرکشش تصویر نظر آئے گی، یا فلم ایکٹروں کی ایسی ایکٹنگ نظر آئے گی، جو اس کتاب یا رسالہ کے مندرجات کا وہ خلاصہ پیش کر دیتی ہے جو ایک اچٹتی ہوئی نظر میں پڑھ لیا جاتا ہے، اور نوجوانوں کو اس کے پڑھنے کے لیے بے تاب کر دیتا ہے، ادب صالح کے ترجمان حقیقت نے بہت پہلے کہا تھا ؎

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

بات فقط ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ آج پوری دنیا میں اسی ادب کا چلن ہے اور انھیں ادیبوں کو ادیب تسلیم کیا جاتا ہے، تفریح طبع کے نام پر یہ ادب اتنا عام ہوتا گیا کہ اب تو کوئی اشتہار حتیٰ کہ دواؤں کے لیبل تک کسی ایسی تصویر سے خالی نہیں ہوتے جو ذہنی انتشار نہ پیدا کرتی ہو، یہ اشتہار اخبارت ورسائل میں بھی پیش کیا جاتا ہے اور ٹیلیویژن پر بھی، حد یہ ہے کہ ٹیلیویژن پر کوئی تعلیمی وتربیتی پروگرام بھی آ رہا ہو تو درمیان میں کوئی ایسا عریاں اشتہار آ جائے گا، جس سے دیکھنے والوں کی نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں، یہی پیسہ والا ادب سرکاری دربار کا بھی ادب ہوتا ہے، زیادہ واضح الفاظ میں ہم اس ادب کو ابن الوقتی ادب کہہ سکتے ہیں جو وقت کے سارے ہی موضوعات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اور بڑی بے باکی کے ساتھ کہا اور باور کرایا جاتا ہے کہ ؏

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اس صورت حال کے بعد بہت آسانی کے ساتھ اس حقیقت تک پہونچا جا سکتا ہے کہ وہ ادب، ادب ہو ہی نہیں سکتا جس کے پیچھے اپنے خالق ومالک اور نظام کائنات کے چلانے والے خدائے واحد کا تصور اور عقیدہ نہ ہو جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ایک ایسا بھی دن آ کے رہے گا جس دن ہر آدمی کو اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا، اور اچھے برے کاموں کا ویسا ہی نتیجہ سامنے آ جائے گا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ان کو ادب سکھانے

کے لیے ایسا معلم ومربی رسول بھیجا جس کو اس نے خود ادب سکھایا چنانچہ اسی معلم اعظم کا مبارک ارشاد ہے: " أدبني ربي فأحسن تاديبي ". (مجھ کو میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا ہے)۔

اس مربی ومعلم کو ادب کی تعلیم دینے کی غرض سے جو کتاب عطا ہوئی وہ قرآن کے نام سے دنیا میں موجود ہے جس کے ادب کے سامنے وقت کے سارے ادیبوں نے ہتھیار ڈال دیے پھر اس کتاب کی تفہیم وتشریح میں اس مربی ومعلم نے جو کچھ فرمایا اس کی تعلیمات کو جس مؤثر انداز سے پیش کیا، اسی کو حدیث کہا جاتا ہے، اور ان دونوں کی رہنمائی میں جو ادب وجود میں آیا وہ ادب "ادب اسلامی" کہلاتا ہے۔

لیکن ادیبوں کا وہ گروپ جس کی صفات اوپر بیان ہوئیں، ان اسلامی ادیبوں کو اپنی صف میں شمار ہی نہیں کرتا، وہ اس ادیب کو ادیب مانتا ہی نہیں جو ادیب ترقی پسندی کی باتیں نہ کرتا ہو، اس صالح اور انسان ساز ادب کا مذاق نہ اڑاتا ہو اور انسانیت کو ادب سکھانے والے آسمانی صحیفوں پر کوئی جملہ نہ کستا ہو، حالانکہ ان اسلامی ادیبوں کا ادب اتنا معیاری ہے کہ آج کی آوارہ دنیا میں انسانیت کی جو تھوڑی بہت آبرو باقی ہے، وہ انھیں اسلامی ادیبوں کی مساعی کے نتیجہ میں ہے، ان ہی کا ادب ہے جو انسان کو اس کے خالق سے ہم کلام کر دیتا ہے، جو انسانیت کی آبیاری کرتا ہے، اس ادب میں حسن وجمال بھی ہے اور سوز وگداز بھی، شیرینی ولطافت بھی ہے اور حسن ادا بھی، یہ وہ ادب ہے جو مٹی کو سونا بناتا ہے، اسلامی ادب کے متوالوں کے احساسات، قلب کی دھڑکنیں ان کے زبان وقلم دونوں ہی میں سنائی دیتی ہیں وہ شعر وشاعری کے رنگ وآہنگ میں ہوں یا تعلیمی وتربیتی مضامین کی شکل میں، انسانیت صالح ادب سے محروم تھی، یہ اسلام ہی تھا جس نے دنیا کو صالح ادب عطا کیا، آسمانی صحیفوں نے انسانوں میں انسانیت کی جوت جگائی، اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم نے تو ادب کا وہ معیار قائم کیا کہ ادب کے سارے دفتر ہیچ نظر آنے لگے، کسی اسلامی ادیب ہی نے اس حقیقت کو اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کر دیا ہے۔

یتیمے که ناکرده قرآں درست
کتب خانهٔ چند ملت بشست

تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے یہ صحیفۂ ادب دنیا کی رہنمائی کے لیے موجود ہے اس لیے یہ کہنا بے جا نہیں بجا ہے کہ جو ادباء وشعراء اس سماوی ادب کی ترجمانی کا حق ادا کرنے میں مصروف کار ہیں، فی الحقیقت وہی ادیب کہے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، یہی ہیں جو انسانیت کے محسن اعظم کے صحیح جانشین ہیں، اس سے ہٹ کر جو کچھ ہے وہ ادب نہیں، بلکہ ادب کے نام سے انسانیت کی پیشانی پر کلنک ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ چونکہ یہ مایۂ ناز اشخاص عرفی ادیبوں کے روپ میں دنیا کے سامنے نہیں آئے، اس لیے ان کو ادباء کے گروہ میں شمار نہیں کیا جاتا، اسی پر بس نہیں بلکہ ان پر واعظ ناداں کی پھبتی بھی کسی جاتی ہے، ان کو دقیانوس وقدامت پرست کہہ کر پردہ کے پیچھے ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور ان کے ادب کو ادب ہی تسلیم نہیں کیا جاتا، حالانکہ انھیں کے ادب سے انسانیت کی آبرو باقی ہے، اور انھیں کا ادب ہے جو درماندہ و پریشاں حال انسانیت کو رُخ یار دکھا کر زندگی کی سیدھی ڈگر پر لا سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ادب بہر حال ادب ہے، اسلامی اور غیر اسلامی کی تفریق چہ معنیٰ دارد؟ سطور بالا میں ایسی ہی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، غیر اسلامی ادب انسانیت کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے، وہ محض سود وسودا اور مکر وفن ہے، اس کو انسانیت کے بننے بگڑنے سے کوئی دلچسپی نہیں، جب کہ ادب اسلامی انسانوں کو انسانیت کے سانچے میں ڈھالتا اور بندوں کو خدا سے ملاتا ہے، پتلۂ خاک کو زمین سے اٹھا ثریا پر پہونچاتا ہے، اس کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناتا ہے، بندوں کے سیرت وکردار کو ملکوتی صفات میں ڈھالتا ہے، اس ادب کے سامنے بے حیائی اور آوارگی اپنا منہ چھپاتی ہے، یہ ادب کبھی بکتا نہیں، یہ ادب حصول مال وزر کے لیے وجود میں نہیں آتا، بلکہ اس کی اساس وبنیاد اس پر ہوتی ہے کہ: " لأن يهدی بك الله رجلاً خير لك من حمر النعم ". (تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے)، یہ وہ ادبی شہ پارہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب فرما کر رہتی دنیا تک کے ادیبوں کے لیے مشعل راہ بنا دیا، اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کے نتیجہ میں جو ادب وجود میں آیا، اس کے شاہکار نمونے بے شمار ہیں، اسلامی ادب سے کتب خانے کے کتب خانے بھر گئے ہیں، لیکن چونکہ اس ادبی ذخیرہ کو ادب کے عنوان سے سامنے نہیں لایا گیا، اس لیے وہ وردی پوش ادیبوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

بقیہ صفحہ ۷ رپر)

ادب اسلامی

اردو پر عربی زبان وادب کے اثرات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اردو زبان کو برصغیر ہندوپاک کی زبانوں میں ایک طرح سے سنگم زبان کی حیثیت حاصل ہے، اس میں عوامی زبان اور دو بڑی اور اہم زبانوں یعنی فارسی اور عربی کی نمایاں طور پر آمیزش پائی جاتی ہے، اور یہ اس زبان کے استعمال کرنے والوں کے مقامی، ثقافتی، سماجی اور دینی حالات کے تقاضے اور اثر کے نتیجہ میں ہوا۔

آج سے کئی سو سال اردو زبان کے آغاز کے وقت ملک کے انتظامی دائرہ میں نیز مسلمانوں کے اہل علم طبقہ کے علمی دائرہ میں فارسی زبان کا رواج تھا، لیکن ملک کے عوام مقامی طور پر رائج زبان جو غیر علمی اور صرف روایتی تھی، البتہ اس کا قدیمی رشتہ سنسکرت زبان سے ملتا تھا، استعمال کرتے تھے، حکومت کے ذمہ داروں کو عوام سے مخاطبت کے لیے اس مقامی زبان تک محدود رہنے والوں کے ساتھ ان کے سمجھنے کی سہولت کا لحاظ کرنا پڑتا تھا، اسی طرح علماء دین کو وعظ وتقریر کے لیے بھی عوام کے سمجھنے کی رعایت کرنا پڑتی تھی، اسی رعایت ولحاظ نے ایک بیچ کی زبان کی طرح ڈالی، اس نئی وجود میں آنے والی زبان کا استعمال فوج کی ضروریات کے لیے بھی اختیار کرنا پڑا، فوج میں عوام ہی کے افراد ہوتے ہیں، اور وہ ملک کی معیاری یا عالمانہ زبان سے زیادہ واقف نہیں ہوتے، فوج میں اس بیچ کی زبان کے استعمال ہونے نے ہی غالباً یہ اثر ڈالا کہ فوج ہی کے نام پر جو کہ حکمرانوں یعنی مغلوں کے قدیم وطن ترکستان کی زبان میں رائج لفظ اردو ہی اس مستعمل زبان کا بھی نام پڑ گیا، اور اس بیچ کی زبان یعنی اردو کی مذکورہ بالا ضرورت واہمیت کی وجہ سے اس کو ترقی اور وسعت حاصل ہونے لگی، اور بتدریج یہ دیگر زبانوں کی طرح ایک زبان بن گئی، اور بتدریج اہل علم میں بھی استعمال ہونے لگی، اور ان میں رائج ہونے پر اس میں دیگر علمی زبانوں سے جو اہل علم میں معروف بلکہ علمی کاموں کے لیے متداول تھیں، ان کے الفاظ بھی شدہ شدہ داخل ہوتے گئے۔ یہ الفاظ علی العموم فارسی اور عربی سے اردو میں آئے، کیونکہ برصغیر کے مسلمان اہل علم ان دونوں زبانوں سے دینی اور ثقافتی دائرہ میں خاصا تعلق رکھتے تھے۔

حکومت وقت کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باعث اہل علم کا عمومی ربط وتعلق اسی زبان سے تھا، لہٰذا اہل علم ہونے کے تعلق سے ثقافتی اور اجتماعی معاملات میں اسی زبان کا دخل زیادہ تھا، اور حکومت کے اثر سے غیر مسلموں کو بھی اس زبان سے واقفیت بڑھانی پڑتی تھی، اسی کے ساتھ مسلمان علماء کو اپنی دینی حیثیت کے تقاضوں کی وجہ سے عربی زبان سے بھی گہرا ربط رکھنا پڑتا تھا، چنانچہ ان کے استعمال میں آنے والی اردو میں عربی اصطلاحات اور الفاظ کی آمد نسبتاً بڑھی، اور ان دو وجوہ کی بنا پر اردو زبان وادب فارسی زبان وادب سے اور عربی کی تعبیرات واصطلاحات سے متاثر ہوتے چلے گئے۔

مسلمانوں کا اقتدار اس علاقہ سے ختم ہو جانے پر فارسی زبان کے استعمال میں کمی آنے لگی، لیکن چونکہ مسلمان اہل علم فارسی اور عربی دونوں سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کی اردو ان دونوں زبانوں سے متاثر رہی، البتہ علماء دین کی زبان میں عربی کے اثرات نسبتاً بڑھے، اس لیے اردو زبان کا سلوب دو پہلوؤں میں بٹ گیا، ایک اہل علم وعلماء دین کے یہاں رائج ہوا، اس میں فارسی وعربی کے اثرات زیادہ رہے، اور دوسرا عوام مسلمانوں کا جس میں عوام میں رائج الفاظ کا استعمال خاصا رہا، اور ان دونوں دائروں میں استعمال ہونے والے سب

" عربی زبان کو یہ خصوصیت کہ اس نے دوسری زبانوں کو متاثر کیا، دیگر زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ رہی ہے، چنانچہ برصغیر سے متصل ملکوں کی مسلم آبادی کی مقامی زبانوں میں بھی عربی کے اثرات ہر جگہ ملتے ہیں، اور اردو کو یہ بات خاص طور پر زیادہ حاصل ہوئی، اور برصغیر میں فارسی کو جو حکومتی مقام حاصل تھا، اس مقام کے ختم ہو جانے کے بعد عربی کے اثر انداز ہونے کو زیادہ موقع حاصل ہوا، اور اس کو خاص طور پر علماء دین کے استعمال کردہ اردو میں زیادہ دیکھا جاسکتا ہے، اور اس میں بھی علمی و دینی موضوعات میں یہ بات زیادہ ملتی ہے۔ "

الفاظ اردو زبان کے الفاظ بنتے چلے گئے، لیکن عربی وفارسی نے اردو کی تشکیل میں جو اثر ڈالا تھا، وہ اردو زبان کے مزاج میں داخل ہو گیا تھا، اور اس کی بنا پر بتدریج یہ نئی زبان اردو مستقل اور بھرپور زبان کی حیثیت حاصل کر گئی، اور ملک میں فارسی کی طرف سے اعتناء کم ہونے کی وجہ سے فارسی کو علمی وادبی کاموں میں جو مقام کئی صدیوں کے اثر سے حاصل ہوا تھا، اس کی جگہ اردو زبان لیتی چلی گئی، اور باتدریج فارسی کے مدمقابل آگئی۔

عربی زبان چونکہ دینی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس لیے اس کے اثرات کے کم ہونے کا معاملہ نہیں پیش آیا، اور وہ جس طرح موجودہ رائج الوقت فارسی پر اثر انداز ہوتی رہی تھی، اردو پر بھی اس کا یہی اثر پڑا۔ اس طرح اردو زبان وادب کا عربی سے متاثر ہونے کا معاملہ دوہرا بن گیا، عربی کے الفاظ و محاورات اس میں براہ راست بھی آئے، اور فارسی کے راستہ سے بھی آئے، اس طرح اردو کا عربی سے تعلق زیادہ گہرا ہوا، یہ اثر عام طور پر اس کے علمی اور دینی مواقع پر نسبتاً زیادہ ملتا ہے، البتہ خالص عوامی سطح پر علاقائی اثرات کا حصہ بھی ہے۔

عربی زبان کو یہ خصوصیت کہ اس نے دوسری زبانوں کو متاثر کیا، دیگر زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ رہی ہے، چنانچہ برصغیر سے متصل ملکوں کی مسلم آبادی کی مقامی زبانوں میں بھی عربی کے اثرات ہر جگہ ملتے ہیں، اور اردو کو یہ بات خاص طور پر زیادہ حاصل ہوئی، اور برصغیر میں فارسی کو جو حکومتی مقام حاصل تھا، اس مقام کے ختم ہو جانے کے بعد عربی کے اثر انداز ہونے کو زیادہ موقع حاصل ہوا، اور اس کو خاص طور پر علماء دین کی استعمال کردہ اردو میں زیادہ دیکھا جا سکتا ہے، اور اس میں بھی علمی ودینی موضوعات میں یہ بات زیادہ ملتی ہے۔

عربی اور فارسی زبانیں اپنی اپنی طویل تاریخ رکھتی ہیں، ان میں بول چال کے علاوہ اصناف ادب کے تنوع اور ترقی کے کامیاب دور گذرے ہیں، اور ایک دوسرے کے علاقے کے پڑوسی ہونے کے باعث دونوں نے ایک دوسرے پر اثر بھی ڈالا ہے، عربی زبان وادب کا ابتدائی دور عربوں کا بدوی (یعنی دیہاتی) اور غیر تعلیم یافتہ دور تھا، لیکن اس کے باوجود زبان وادب کو بہت فروغ حاصل ہوا، پھر اس میں قرآن مجید کے اترنے سے اس کی تعبیر وزبان پر بہت اثر پڑا، اور بطور مزید تعلیم کی طرف توجہ ہوئی، جس کے ذریعہ بڑی علمی ترقی ہوئی، اور اپنے علمی دائرہ میں ان کے علوم وفنون نے مرجع کی حیثیت حاصل کر لی، جس کا اثر اس کے پڑوس کی زبانوں پر اور ان کے علمی رجحانات پر بھی پڑا، اس طرح اگرچہ فارسی زبان اپنے ادبی پہلوؤں اور اصناف کے لحاظ سے ایک تاریخ رکھتی تھی، لیکن عربی سے متاثر ہوئی، اور یہ تاثیر اتنی ہمہ گیر ہوئی کہ زبان اپنے قدیم اسلوب سے بہت بدل گئی، بلکہ ایک طرح اس نے عربی سے بہت کچھ اخذ کیا، اور عربی کے بکثرت الفاظ اس میں داخل ہو گئے، اور پھر یہی تبدیل شدہ فارسی برصغیر میں بھی استعمال ہوئی، اور جب ملک میں درمیانی زبان اردو جو خواص میں مستعملہ زبان فارسی اور عوام میں مستعملہ علاقائی زبان سے مل کر بنی، رواج پانے لگی تو خواص میں سے علماء کے طبقہ کی زبانوں پر چڑھے ہوئے عربی الفاظ بھی اس پر اثر انداز ہونے لگے۔ دوسری طرف خود فارسی میں بہت سے عربی کے الفاظ آکر جو فارسی کا جزء بن گئے تھے، ان میں سے بھی خاصے الفاظ اردو میں داخل ہونے لگے، اس طرح عربی زبان کا حصۂ اثر فارسی کے حصۂ اثر سے زیادہ ہوا۔

عربی وفارسی زبانوں کا ادبی حصہ آپسی لین دین کی بنا پر کچھ تو مشترک ہو گیا تھا، اور کچھ حصہ اپنی اپنی ذاتی خصوصیات کا حامل تھا، اردو کو ان دونوں ذخیروں سے استفادہ کا موقع ملا، اردو کو مزید فائدہ علاقائی حالات کے اثر سے پیدا ہونے والے رجحانات سے بھی پہونچا، ان سے اس میں مقامی زبانوں کے ادب سے بھی اثر آیا، اس طرح اردو اس پورے علاقہ کی جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی اور حکومت رہی، ایک نمائندہ زبان بن گئی، اور اس کو اپنے ادبی پہلوؤں کے لیے متعدد جہات سے رہنمائی ملی، اور اس میں فارسی ادب کا بھی نمایاں حصہ رہا، اس میں دونوں کے عوام کے اپنے اپنے پہلو الگ بھی تھے، اور مشترک بھی۔ اور پھر جب مغربی تعلیم کا دور آیا اور انگریزی زبان وادب سے واقفیت رکھنے والوں کی ایک وقیع تعداد تیار ہو گئی تو مغربی ممالک کی زبانوں خاص طور پر انگریزی کے ادبی سرمایہ سے اثر لینے کا آغاز ہو گیا، اور یہ تیزی سے بڑھنا شروع ہوا، اور خاص طور پر مغربی تعلیم کے حاصل کردہ اہل ادب نے اردو کے لیے بھی اس کی رہنمائی اختیار کی، خاص طور پر افسانہ وناول میں اس طرح کا زیادہ موقع ملا، البتہ شاعری کے سلسلہ میں فارسی شاعری سے اردو نے زیادہ استفادہ کیا، خاص طور پر غزل کے معاملہ میں، بلکہ غزل اردو میں بڑی حد تک فارسی کی غزل سے فیض یافتہ بنی۔

عربی ادب کے کچھ اثرات تو فارسی ادب کے اثرات میں شامل ہو کر اردو ادب میں آئے، اور کچھ براہ راست بھی آئے، ان اثرات میں تلمیحات کا ایک حصہ ہے، جو فارسی ادب کے راستے اور کچھ براہ راست بھی آئے، مثلاً مجنوں اور لیلیٰ کا ذکر، موسیٰ و عصائے موسیٰ کا ذکر، حاتم طائی، سحبان وائل، حیدر کرار، کربلا، کوہ طور، فاران پہاڑ کا ذکر۔ اور محاورات کے سلسلہ میں بھی خاصا استفادہ ملتا ہے، البتہ الفاظ کے تعلق سے یہ استفادہ کچھ زیادہ نمایاں ملتا ہے، حتی کہ بعض بعض جملوں اور عبارتوں میں تین چوتھائی یا نصف الفاظ عربی کے ملتے ہیں، اس سلسلہ میں فارسی کو بھی یہ بات خاصی حد تک حاصل ہوئی ہے، مثلاً ذیل کی مثالیں دیکھئے:

”نفاق عقیدہ کے علاوہ ایک نفاق عمل بھی ہے، انسان فکر وعقیدہ کی سطح پر اسلام قبول کرتا ہے، مگر اس کے اعمال ایسے ہوتے ہیں جو ایمان اور عقیدہ کے منافی ہوتے ہیں، ایسا شخص اسلام کا دل سے انکار نہیں کرتا، مگر عمل سے اظہار بھی نہیں کرتا“۔ [خطبات جمعہ از مولانا سعود عالم قاسمی، ص/ ۲۲۹]

اس میں ۳۲ میں سے ۲۰/ الفاظ عربی کے ہیں۔

دوسری مثال دیکھئے:

”خدا کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر، کسی فرد کو دوسرے فرد پر، ایک قوم کو دوسری قوم پر، نسب، قومیت، ذات وبرادری کی بنیاد پر فضیلت نہیں دیتا، وہ انسانوں کو ان کی دیانت وتقوی والی زندگی پر افضل قرار دیتا ہے۔“ [عالم عربی کا المیہ از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ص/ ۷۷] اس میں ۴۵ میں سے ۱۵/ الفاظ عربی کے ہیں۔

ایک مثال اور دیکھئے:

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل وجمیل، تو بھی جلیل وجمیل
تیری بنا پائیدار، تیرے ستوں بیشمار
شام کے صحراء میں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منار بلند، جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم وخلیل

[بال جبریل، ص/ ۷۸]

ان اشعار میں ۴۳ میں سے ۲۳/ الفاظ عربی کے ہیں۔

ایک قطعہ علامہ شبلی نعمانی کا دیکھئے جس میں ۶۰ میں سے ۲۲/ الفاظ عربی کے ہیں۔

کل مجھ کو چند لاشۂ بیجاں نظر پڑے
دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں
کچھ طفل خورد سال جو چپ ہیں خود مگر
بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
آئے تھے اس لیے کہ بنائیں خدا کا گھر
نیند آگئی ہے، منتظر نفخ صور ہیں
کچھ نوجواں ہیں بیخبر نشۂ شباب
ظاہر میں گرچہ صاحب عقل وشعور ہیں
اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بے دریغ
مجرم کوئی نہیں ہے، مگر ہم ضرور ہیں
سینے پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار
از بس کہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں
کچھ پیر کہنہ سال ہیں دلدادۂ فنا
جو خاک وخوں میں بھی ہمہ تن غرق نور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم، آئی یہ صدا
ہم کشتگان معرکۂ کانپور ہیں

غرض اردو زبان وادب نے عربی زبان وادب کا خاصا اثر قبول کیا، مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں، ورنہ اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ اداریہ.........لیکن ہماری اس اکیسویں صدی میں جب ادب کو موضوع بنا کر اسلام کو نقصان پہونچانے کی کوششیں شروع ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق وقت کے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ایک برگزیدہ بندہ (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) کو اس محاذ پر کھڑا کر دیا اور ”رابطہ ادب اسلامی“ کے نام سے ایک مستقل تحریک وجود میں آگئی اور اس نے ادب اسلامی کو موضوع بنا کر اس کے خدوخال کو نمایاں کیا جس کے تین درجن سے زائد سیمینار ہندوستان کے مختلف شہروں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں منعقد ہو چکے ہیں، اس رابطۂ ادب اسلامی نے ”کاروان ادب“ کے نام سے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ایک سہ ماہی رسالہ! رسالہ کیا بلکہ الگ الگ موضوعات پر ادب اسلامی کے کتب خانوں میں دبے ہوئے ذخیرہ کو پیش کر کے اسلامی ادب کو نمایاں کیا جو کتب خانوں کے گرد وغبار میں دبا پڑا تھا یا ایک خاص دائرہ میں محدود تھا۔

اس ادب میں شعر وشاعری، سوانحی وتاریخی سفرنامے یا تحریکات وحالات کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے بھی قسم کے ادب شامل ہیں،، جس کو ادب اسلامی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

دین و ادب

ادب اسلامی - اہمیت وافادیت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

رابطہ ادب اسلامی کی تاسیس

ہمیں اچھی طرح یاد ہے ۱۹۸۱ء میں سالار قافلہ ادب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دعوت پر اسلامی ادب کی نمائندہ اور اسلامی ادب کی چیدہ شخصیات پورے عالم اسلام سے اور پورے ہندوستان سے جمع ہوئی تھیں، اسلامی ادب کی صدا جو آج سے ۳۳ سال پہلے لگائی گئی وہ آج برگ وبار لارہی ہے، چونکہ یہ ان کے دل سے نکلی ہوئی آواز تھی اسی لیے اسکا اثر ہوا، بلکہ عالم اسلام اور پوری دنیا کے مفکرین ادباء وزعماء نے ان کی اس آواز پر لبیک کہا، اور ان کے ذہنوں کے اندر اسلامی ادب کا جو محدود تصور تھا ان کو متنبہ ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ ادب ایک محدود تصور کے ماتحت اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھا، اس کو نہایت گھٹیا اور محدود مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تصور کہاں سے آیا تھا؟

آپ کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ یہ تصور یورپ سے آیا تھا جس نے فلسفہ یونان کے اثر سے ادب کو مذہب کی رہنمائی سے آزاد کردیا تھا، ان کے ذہنوں میں ادب کا جو تصور تھا وہ چند ایسی چیزیں تھیں جن سے دل بہلانا اور (enjoy) تفریح حاصل کرنا اور فائدہ حاصل کرنا ہے، اس کے علاوہ اس کا نہ کوئی کام ہے نہ اس کا کوئی پیغام، جب آدمی کام کرتے کرتے تھک جائے اور اس کو کچھ تفریح کی ضرورت ہو تو اس کا استعمال کرلے اور ادب کی کتابیں پڑھ لے، یا ادب کو اس وقت اپنی زندگی کے اندر داخل ہونے کا موقع دے، حالانکہ ادب کا یہ محدود تصور نہیں تھا بلکہ ادب کا وہ آفاقی تصور، ادب کا وہ عظیم تصور، ادب کا وہ ہمہ گیر تصور جس کو حضرت مولاناؒ نے سب سے پہلے پیش کیا، وہ تصور بیدار ہوا، اور ایک ادبی بیداری پیدا ہوئی، اس زمانہ میں ادب کا جو خیال تھا، جو تصور تھا، ایک محدود طبقہ نے ادب پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی تھی اور اس کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم ادب کے علم بردار ہیں، ہم ہی ادب کے نمائندے ہیں، اور ادب وہ ہے جو ہماری زبان پر جاری وساری ہے، اور ہمارے قلم سے جو بات لکھ دی جائے وہی ادب ہے، اور اس اجارہ داری کی اس منحوس فضا سے مجھے آپ اجازت دیں تو میں کہوں کہ اجارہ داری کی لعنت سے حضرت مولاناؒ نے ادب کو اپنی کوشش سے نکالا، اور بتایا کہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اور اپنے خیالات کو مذہب کی رہنمائی میں دنیا کے سامنے پیش کرے، یہی محدود تصور ادب کا وہ جاہلی تصور تھا جس میں وہاں کے ادباء اپنے کو سب سے عظیم شخصیت سے تعبیر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ساری دنیا ہمارے سامنے بہری اور گونگی ہے، ہم ہی صرف اس کے نمائندے ہیں، ہم ہی اس کو چلا سکتے ہیں ہمارے علاوہ کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ادب کا علم اپنے ہاتھ میں لے، اور ادب کی نمائندگی کرے۔

ادب کا آفاقی تصور

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت اگر ادب بلیغ نازل نہ ہوا ہوتا تو وہ علیٰ حالہ اپنے فخر وپندار میں مشغول ومنہمک رہتے، لیکن قرآن کریم کی شکل میں جب ادب معجز نازل ہوا تو انہیں محسوس ہوا کہ ہم جس ادب کے نمائندے تھے وہ اگرچہ بہت ہی عظیم ادب تھا، جس سے پوری دنیا نا آشنا تھی جس سے ساری دنیا محروم تھی، وہ بہت محدود تصور تھا، درحقیقت وہی ادب ادب کہلانے کا مستحق ہے جو کتاب اللہ کے اندر آیا ہے، ادب تو یہ ہے جس کے سامنے ہم بالکل گونگے اور بہرے ہیں جو پوری دنیا کو بہرہ اور گونگا کہہ رہے تھے، وہ خود اس کے سامنے بہرے اور گونگے ہوگئے، انہوں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی، اور یہ ماننے پر مجبور ہوگئے کہ اس کلام کے سامنے ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے، اور ہمارا کلام بالکل بے قیمت ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کا ایک انقلابی قدم

میرے نزدیک رابطہ ادب اسلامی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ادب کی اجارہ داری کو ختم کیا، اور ادب میں جو محدودیت تھی اس کو مخصوصیت کی روح سے بدل دیا، دوسری چیز یہ ہے کہ ادب اسلامی نے لوگوں کی رہنمائی کی اور بتایا کہ بے مقصد ادب کوئی اہمیت نہیں رکھتا، زندگی کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، کردار کے بازار میں اس کی اہمیت نہیں ہے، اور اس کا نہ کوئی مستقبل ہے، اور نہ اس کی صحیح سمت ہے، جو بے مقصد ادب تھا اس کو با مقصد بنانے کے لیے یہ ادب اسلامی وجود میں آیا، اور یہ رابطہ ادب اسلامی جو آپ دیکھ رہے ہیں اس سمت پوری طرح آگے بڑھ رہا ہے، اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر رہا ہے، ادب کو احتکاری سمت سے نکالنا ہی ادب اسلامی کا اولین مقصد ہے، ادب نہ کسی کی میراث ہے اور نہ کوئی اس کا ٹھیکیدار ہے اور نہ کوئی اجارہ دار، بلکہ یہ عام چیز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "خلق الانسان علمه البيان" کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ادب کی طاقت عطا فرمائی، بیان کی طاقت عطا فرمائی، یہ تو ہر انسان کا طبعی اور فطری حق ہے، اس فطری حق کو اگر ہم محدود کردیں اور دوسرے لوگوں کو اس سے محروم کردیں تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا اور بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

تعمیری ادب کی ضرورت

اس وقت آپ کے سامنے جو دور ہے اس میں یورپ بہت آگے بڑھ رہا ہے اپنی علمی اور سائنسی کوششوں میں، اور ٹیکنالوجی جو اس دور کا ذہن اور مزاج بن گیا ہے، اور انٹرنیٹ ایج (internet age) بن گیا ہے، پہلے (scientist age) سائنٹسٹ ایج تھا، تو انٹرنیٹ ایج میں ہمارا فرض اور ہماری ذمہ داری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ادب عالی کی جگہ ادب سافل سے اور نہایت ہی گھٹیا قسم کے ادب سے زندگی کو روشناس کرائیں، اور زندگی کو اس کے ماتحت کردیں، بلکہ ہمارا فرض ہے کہ اس ادب کو ادب عالی بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس ذریعہ ابلاغ کو ہم اس بڑے مقصد کے لئے استعمال کریں، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ہم کوشش کرکے چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، وہ حاسدین اور وہ مفسدین جو دنیا کو زیروزبر کرنا چاہتے ہیں، اور زندگی کو بے قید بنانا چاہتے ہیں، اور انسانوں کے تعلق کو مذہب سے ہٹانا چاہتے ہیں، ان کے سامنے ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم اس کے ذریعہ دنیا کو ایسا ادب دیں گے جو تعمیری ادب ہوگا، زندگی کی تعمیر جدید کرے گا، انسانوں کے مستقبل کو بنائے گا، جو انسان کا کردار بنائے گا اور جو انسان سے ملائے گا وہ ادب جو انسانوں کو اللہ سے ملائے گا، ہم اس ادب کی آبیاری کریں گے، اس ادب کی سربراہی کریں گے، اس ادب کو مقصد جاں بنائیں گے، اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگائیں گے۔

مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو رابطہ ادب اسلامی سے وابستہ ہونے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے اور اس کے پروگرام میں شریک ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

☆☆☆☆☆

علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

میں آپ کی توجہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ بھی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو مرجع ہے اور نہ مصدر، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے، قرآن مجید نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء، جو علم کی بنیاد ہے، کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرے کے بعد اور اسی سیاق وسباق میں کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے، علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ انسان نے یہ فراموش کردیا کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے، اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی، مالک اور آقا بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لیے یا سیاسی برتری حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے، انسانیت کی تاریخ اور علم دونوں کے لیے وہ منحوس ترین دن تھا، جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا، صرف یہ احساس کہ اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے خدا کا خلیفہ یا نائب ہے، اسے صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے، کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اسے من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہوسکتا ہے۔

علم کا اس کے مالک سے رشتہ منقطع ہونا واقعتاً بہت بڑا فتنہ ہے، انسان نے علم تو حاصل کرلیا لیکن اس کے ذہن نے علم کے خالق کو فراموش کردیا، آج دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہوئی ہے، یورپ اور امریکہ کے سیاست دانوں اور عالموں اور ان تمام لوگوں سے معذرت کے ساتھ جو مغرب کی تہذیب پر نازاں ہیں، یہ عرض کروں گا کہ انسان کا اپنے آپ کو خود مختار اور اس دنیا کا حقیقی مالک سمجھ لینا ایک بہت بڑی غلطی تھی، انسان جب اپنی ابتدا کو بھول گیا تو اسے اپنی حیات کا مقصد اور انتہا بھی فراموش ہوگئے، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ انسان اس وقت تک اس دنیا کے حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے گا جب تک وہ یہ تسلیم نہ کرے گا کہ وہ صرف ایک مخلوق ہے جسے اپنے خالق کے سامنے پیش ہوکر اپنے اعمال کی جواب دہی بھی کرنی ہے، اسے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اسے جتنا بھی علم حاصل ہوا ہے وہ اس کے ایک سرے پر کھڑا ہوا ہے، اور دوسرے سرے پر علم کا خالق، اس کا آقا اور مالک موجود ہے، اگر یہ رشتہ منقطع ہوگیا تو انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھی فراموش کردے گا، اور ہماری دنیا ایک میدان جنگ اور انسانیت کے ایک ایسے مذبح میں تبدیل ہوجائے گی جہاں غلامی کے بیشمار اقسام، بے انصافیوں اور انسانیت کی تذلیل کا دور دورہ ہوگا۔

☆☆☆

دین کامل

افلاس اور اسلام

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندویؒ

ہندوستان آج افلاس کے عالمگیر حملہ سے چیخ اٹھا ہے، رعایا میں افلاس کے سبب سے ایک عجب تلاطم برپا ہوگیا ہے، گداگروں کی کثرت ہوتی جاتی ہے جس کے انسداد کے لیے گورنمنٹ بھی چارہ کار کی تلاش میں ہے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، بلکہ بھیک منگوں کی تعداد میں روز بروز ایک معتد بہ اضافہ ہورہا ہے، اور اگرچہ اس وقت تک ان کا شمار لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکا ہے لیکن بایں ہمہ آئندہ کے لیے روک ٹوک کا کوئی انتظام نہیں، اور نہ افلاس کے سد باب کے لیے کوئی مناسب تدبیر ہاتھ آتی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام حیثیات کا جامع ہے اور تمام دینی اور دنیوی ضروریات کے کفیل ہونے کا مدعی ہے، اس لحاظ سے ہم اپنے زیر بحث عنوان کے متعلق اسلام ہی کے نقطہ نظر سے بحث کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ مذہب ایک ایسا زبردست جذبہ اور ایک ایسی لازوال طاقت ہے جس کے سامنے دنیا کی ہر طاقت سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے اور قانون شکنی اور غیر معتدل انتظام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے جو زبردست تازیانہ مذہب کے ہاتھ میں ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں، لہٰذا ہم اس موقع پر یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے کس خوبی اور کس شدت کے ساتھ اس عام اور کہنہ مرض کا علاج تجویز کیا ہے اور کس قدر سختی کے ساتھ علماءِ مسلمین کو ان تمام اعمال سے دفعۃً روک دیا ہے جن سے افلاس کے پیدا ہونے کا شبہ بھی کیا جاسکتا تھا۔

افلاس کے مختلف اور متعدد وجوہ نکل سکتے ہیں جن میں سے گداگری اور بے کاری یہ دو چیزیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس موقع پر وہ احکام نقل کرتے ہیں جن میں مذکورۂ بالا اوصاف ذمیمہ کی ممانعت کی گئی ہے اور پھر بسط کے ساتھ وہ مناسب تدبیریں بھی دکھلائیں گے جو خود مذہب نے ہمیں ایک فارغ البال قوم بننے کے لیے بتائی ہیں۔

مذہب میں تحذیر وترہیب کا سب سے بڑا آلہ عذاب آخرت ہے، اسلام اس مسئلہ میں بھی اکثر مواقع پر اسی سے کام لیا ہے، بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے: "مایزال الرجل لیسئل الناس حتی یأتی یوم القیامۃ لیس فی وجھہ مضغۃ لحم"۔ (انسان اپنے دوسرے ہم جنسوں میں ہمیشہ سوال کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ ایسی صورت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر کوئی گوشت کا کوئی ٹکڑا نہ ہوگا)۔

اس حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا ہے: "أی یأتی یوم القیامۃ ولا جاہ لہ"، یعنی قیامت میں وہ بالکل بے وقعت اور بے عزت رہے گا اس کی ہستی کسی شمار میں نہ ہوگی، بعض شارحین نے اس حدیث کو آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو سائل کی دنیوی عزت ووقعت پر بھی محمول کیا ہے، یعنی سوال سے جو ذلت وتحقیر دنیا میں سائلین نے اٹھائی ہے اس کی تشہیر قیامت میں اس طور سے ہوگی چنانچہ اس کے خاص الفاظ یہ ہے: "واما اعلاناً یعملہ انتھی وذلک بأن یکون علامۃ یعرفہ الناس بتلک العلامات، انہ

اسلام ان تمام اسباب کا دشمن ھے جن سے افلاس پیدا ھوتا ھے اور اس نے ایک قلم ایسے لوگوں سے تنفر ظاھر کیا ھے، اس کے بعد ھم مختصراً ان اسباب سے بحث کرتے ھیں جن سے معلوم ھوگا کہ اسلام نے اس لابدی افلاس کا کیا انتظام کیا ھے جو تقاضائے فطرت ھے، ایک بچہ جس کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا ھے، وہ کیا کر سکتا ھے، ایک پردہ نشین جو اپنے محبوب خاوند سے جدا ھو چکی ھے کیونکر بسر اوقات کر سکتی ھے، اسلام اس سے بے خبر نھیں ھے، اس نے پھلے ھی ایک حکم عام جاری کر دیا: "وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ" (ھماری دی ھوئی چیزوں سے کچھ خرچ کرو) اصطلاح قرآنی میں انفاق کا لفظ صدقات کے لیے مستعمل ھوتا ھے، آگے چل کر دوسرے مقام پر تفصیل سے بتایا ھے کہ اس کے مستحق کون کون لوگ ھیں جن میں فقراء، یتامی، ارامل سب داخل ھیں۔

کان یسئل الناس فی الدنیا فیکون تغییراً لہ وتشھیرا لحالہ واذلالاً لہ کما أذل نفسہ فی الدنیا وأراق ماء وجھہ بالسوال"۔ [مشکوٰۃ شریف، ص/۱۶۲]

ان صاف تصریحات کے بعد کون غیرت مند ہے جو نہ صرف دین بلکہ دنیا کی بھی تحقیر وذلت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو، ترمذی اور نسائی وغیرہ کی روایتیں اس سے زیادہ صاف ہیں۔

عن عبداللہ ابن مسعود قال رسول اللہ من سأل الناس ولہ مایغنیہ جاء یوم القیامۃ والمسئلۃ فی وجھہ خموش أو خدوش أو کلوح۔

(عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ (جس نے لوگوں سے باوجود مایکفی کے موجود ہونے کے سوال کیا قیامت کے دن اس کا سوال چہرے پر ایک خراش کی صورت میں معلوم ہوگا)۔

"مایغنیہ" کا لفظ گو عام ہے اور ہماری اصطلاح میں اس کا اطلاق ایک کثیر سرمایہ پر ہوسکتا ہے مگر شارع علیہ السلام نے خود دوسرے موقع پر اس کی تصریح فرمادی ہے، صحاح کی روایت ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک دن کا کھانا بھی موجود ہے تو اس کے لیے سوال کرنا قطعی حرام ہے ابوداؤد کے صاف الفاظ یہ ہیں: "أن یکون لہ شبع یوم ولیلۃ"، شارع کا ایک خاص اصول یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت نہایت شدید کرنی ہوتی ہے اور اس کو ازسرتاپا مٹانا مقصود ہوتا ہے تو نہ صرف اس شے کی حرمت کا حکم صادر کیا جاتا ہے بلکہ اس کے تمام لوازمات ومتعلقات بھی اسی ذیل میں شمار کیے جاتے ہیں، شراب کی ممانعت کا جب قطعی حکم نافذ ہوچکا ہے تو ساتھ ہی اس کے تمام ظروف کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا اور سب کو ایک قلم برباد کر دینے کا ایک عام حکم جاری کیا گیا، سوال بھی انھیں اقسام میں داخل ہے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم نے مجھ سے شرط کرلی تھی کہ میں کبھی کسی سے سوال نہ کروں یہاں تک کہ اگر میرا کوڑا زمین پر گر جائے تو میرے لئے حکم نہ تھا کہ میں اس کو کسی دوسرے سے اٹھانے کی درخواست کروں بلکہ آپ نے یہاں تک ارشاد فرمایا تھا: "حتی تنزل الیہ فتاخذہ" (تم خود اتر کر اسے اٹھالو، مسند امام احمد میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے)۔

اسی نکتہ کو صاحب لمعات شارح مشکوٰۃ نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے: "مبالغۃ فی النھی عن السئوال وحسم لمادتہ وان لم یکن من السوال المحرم"۔ [مشکوٰۃ، ص/۳۱۴]

گداگروں کی ایک بڑی تعداد جو ہمیں آج نظر آتی ہے، ان میں زیادہ تر قوی ہیکل اور تنومند نوجوان ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سختی سے اس فعل مذموم سے روکا ہے، ترمذی کی روایت میں ہے: "ان المسالۃ لا تحل لغنی ولا لذی مرۃ سوی" مستطیع اور صحیح وتوانا لوگوں کے لیے سوال جائز نہیں "مرۃ سوی" کی تشریح علماء نے ان الفاظ میں کی ہے: "ای الذی لہ قوۃ علی الکسب" یعنی اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسب معاش کرسکتا ہو، اسی روایت میں آگے چل کر ارشاد ہے: "ورضفاً یاکلہ من جھنم فمن شاء فلیقل ومن شاء فلیکثر" سائل کو صرف اسی پر اکتفا نہ کرنا ہوگا کہ وہ ذلت ونکبت کو برداشت کرلے بلکہ دوزخ کے جلتے ہوئے شعلے اس کو کھانا پڑیں گے، اس کے بعد نہایت بے پروائی کے ساتھ آپ کا یہ فرمانا کہ جس کا جی چاہے کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ نہ کرے ایک قوی الاعتقاد مسلمان کو فوراً لرزا دے گا اور بلاتاخیر اسے وسعت کشی پر آمادہ کردے گا۔

سائلین کو خود خلفاء راشدینؓ نے سخت سزائیں دی ہیں، حضرت علیؓ کی نسبت یہ صحیح روایت مشہور ہے کہ آپؓ نے یوم عرفہ میں ایک شخص کو اسی حرکت پر کوڑوں سے تنبیہ کی، ابوداؤد اور ابن ماجہ سے ہم ایک اور صحیح واقعہ نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سوال کس درجہ مجبوری کی حالت میں جائز ہوسکتا تھا، اور اس کے دفعیہ کے لیے کس قدر مکلف اور اذیت دہ تدبیریں اختیار کی جاتی تھیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کوئی انصاری مفلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگتے ہوئے پہونچے، آپ نے پوچھا کہ تمہارے اثاث البیت کی کیا مقدار ہے؟ انھوں نے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا اور کاٹھ کا پیالہ حاضر کیا، آنحضرتؐ نے اسے نیلام کرکے دو درہم ان کو دئے اور فرمایا کہ ایک سے اپنے کھانے پینے کا انتظام رکھو اور دوسرے سے کچھ سامان لکڑی وغیرہ کاٹنے کا فراہم کرو اور پندرہ دن گذرنے کے بعد پھر میرے پاس آؤ۔

مدت معینہ گذرنے کے بعد انصاری دربار رسالت میں اپنے دونوں ہاتھوں میں دس درہم لیے حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت ظاہر کی اور ایک خاص نکتہ ارشاد فرمایا کہ: "ھذا خیر لک من أن تجئی المسئلۃ نکتۃ فی وجھک یوم القیامۃ" تمہارا یہ عمل کہیں بہتر ہے اس سے کہ تم سوال کرتے اور اس کے آثار تمہارے چہرہ پر نمودار ہوتے اس واقعہ سے جو کچھ استنباط کیا جا سکتا ہے اس کے اعادہ کی حاجت نہیں اس کے ساتھ ہی تجارت کی جس خوش اسلوبی سے ترغیب دی گئی ہے وہ بھی قابل لحاظ ہے، مگر احتیاج عجب چیز ہے اس سے کون خالی رہ سکتا ہے، شارع نے

اس کا بھی خاص طور سے لحاظ کیا ہے، ترمذی کی اسی روایت میں جسے ہم اصحاء کے متعلق سوال میں ذکر کر آئے ہیں آپ نے خود استثناء فرمادیا ہے کہ: "الا لذی فقر مدقع أو غرم مفظع، فقر مفض الی الھلاك"، اور قرض مکلف میں سوال جائز ہے لیکن اس کے ساتھ یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ یہ دائرہ سوال زیادہ وسیع نہیں کیا گیا ہے دوسری روایت میں تصریح موجود ہے: "وان کنت لا بد فاسئل الصالحین"۔ [نسائی] اگر بجز سوال کے اور کوئی چارہ نہ رہے تو صرف صلحاء سے سوال کرو۔

تنذیر وتحذیر کے علاوہ ترک عمل پر تبشیر کرنا بھی انبیاءؑ کا ایک خاص طریق عمل ہے یہ آنحضرتؐ نے گداگری کو بھی اس سے محروم نہیں چھوڑا، چنانچہ نسائی ہی کی دوسری روایت ہے: "من یکفل لی ان لا یسأل الناس شیئاً فاتکفل له الجنة"، اگر کوئی اپنے نسبت سوال کرنے کی ضمانت کرلے تو میں اس کے لیے جنت کا کفیل ہوں، اس حدیث کے راوی ثوبان ہیں، خود نبی کا قول ہے کہ میں نے اس کے بعد پھر کبھی سوال نہیں کیا، اس سے اس طریقے کے کارگر اور سودمند ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہاں تک تشدد کردیا گیا ہے کہ مستثنیات کے سوا باقی تمام کے لیے ایک حکم عام جاری کردیا "فما سواھن من المسئلة باقیه سحت یاکلھا صاحبھا سحتاً" ان طریقوں کے سوا اور ان صورتوں کے علاوہ باقی تمام سوال سے حاصل کی ہوئی چیزیں حرام ہیں۔

صحاح میں اس مسئلے کے متعلق بکثرت روایات ملتی ہیں جن سے اس مسئلہ کی اہمیت اور شدت کا اندازہ ہوسکتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ جس وعید وتہدید اور جس شدت کے ساتھ اس کے سدباب کا انتظام کیا گیا ہے وہ تعجب خیز ہے اور جس کی نظیر کوئی دوسرا مذہب یا دنیا کا کوئی قانون نہیں پیش کرسکتا۔

الغرض اسلام نے گداگری کے تمام اقسام یک قلم موقوف کردیے اور اس کی تمام شاخیں سرے سے ناپید کردیں، اگر آج مسلمان ان پر عملدرآمد شروع کردیں تو ان کے افلاس کا ایک بہت بڑا سبب مٹ جائے گا، ہمارے نزدیک مناسب ہے کہ ہندوستان کے تمام علماء بالاتفاق ان لوگوں کی مقاطعت کا فتویٰ صادر کردیں جو اس تباہ کن پیشہ کے مرتکب ہورہے ہیں اس طریقے سے بہت جلد اس سلسلے کے مٹ جانے کی امید کی جاسکتی ہیں۔

گداگری کی اس شدید بندش کے بعد ہم ان احکام کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جن سے شریعت غراء نے افلاس کے دوسرے سبب (بیکاری) کو بالکل بیخ وبنیاد سے اکھاڑ دیا ہے،

اسلام نے ایک خالص مسلمان کے لئے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ معین کیا ہے وہ بیکاری وکاہلی کا ابتداء سے مخالف ہے، ایک مسلمان کی ہستی دنیا میں بے سود وبیکار رہنے کے لیے نہیں پیدا کی گئی، وہ ایک محاسب ہے جس کی نظر اشخاص کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے ملک کے ہر ہر جزئی واقعہ پر پڑنی چاہیے، وہ اپنے گردوپیش کا محافظ اعمال قرار دیا گیا ہے اور ان سب سے بھی قطع نظر کرلیا جائے تو صرف محاسبہ نفس اور اپنے اعمال کی نگرانی ایک ایسا اہم فرض ہے جو ایک سچے مسلمان کو کسی حالت میں بیکار نہیں رکھ سکتا: "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعته" تعداد اشخاص کے اعتبار سے رعیت کی ملک، قوم، خاندان نفس کے ساتھ تعبیریں کی گئی ہیں۔

کاہلی وبیکاری کے جو عام معنی ہیں ان کے دفعیہ کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ ایک صادق العقیدہ اپنے ان تمام فرائض سے واقف ہو جائے جو شارع اسلام نے اس کے متعلق قرار دیے ہیں، حیات انسانی کے اس نظام سے اسے خود بخود پتہ چل جائے گا کہ اس کی زندگی کا ہر ہر لحہ فرائض و اعمال سے وابستہ ہے، اور وہ فطرۃً اپنے کو باقاعدہ تنظیم کارکن اور مفید ہستی بنانے کے لیے مجبور ہے۔

شریعت نے اس کا یہاں تک لحاظ کیا ہے کہ اوقات صلوٰۃ میں تاخیر کرنے والوں کو ان تہدید آمیز الفاظ میں خطاب کیا ہے: "ذالك صلوة المنافق أحدکم یجلس یرقب الشمس" (یہ ایک منافق کی نماز ہے کہ تم بیٹھے ہوئے کہا کرو کہ آفتاب ابھی باقی ہے)۔

ہم اس سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تساہل کے عام معنی افلاس کے لیے چنداں ممدومعاون نہیں ہیں بلکہ ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شریعت نے ان تمام اسباب کی کیونکر بیخ کنی کی ہے جس کا منبع درحقیقت تکاہل وتساہل ہے مگر تمدن نے اس وقت ان کو مہذب الفاظ میں بدل دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ توکل علی اللہ اس وقت مسلمانوں میں ایک عام حیلہ بیکاری اور بے روزگاری کے لیے بنالیا گیا ہے، ہندوستان کا ہر ہر گوشہ اس وقت ایسے آدمیوں سے بھرا ہوا ہے جو بخیال خود متوکل اور قناعت پسند ہیں، اور ان کا مدار رزق صرف قرآن حمید کی آیت "ومن یتوکل علی اللہ" پر ہے ان مہذب گداگروں کی ایک بڑی تعداد ملک کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے جس کا بارگراں مسلمانوں کی گردن پر پڑتا ہے۔

مگر کیا اسلام ان باتوں کی اجازت دیتا ہے؟ نہیں۔ کیا قرآن مجید ان شنائع کی تائید کرتا ہے؟ "کلا اِنَّ اللّٰہ بَرِیءٌ مِنْ ذٰلِكَ" قرآن مجید کی صاف تصریح ہے: "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ"

وہ ہم کو قطعی حکم دیتا ہے کہ زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل تلاش کرو۔

"فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلوٰۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ" (نماز کے فرض کو انجام دیتے ہی خدا کی ملک میں پھیل جاؤ اور اس کے فضل کو ڈھونڈھو)، مفسرین نے تصریح کردی ہے کہ ابتغاء فضل سے مراد تلاش رزق ہے) توکل کا صحیح مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے معلوم کیا جاسکتا ہے، ترمذی میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے "الزھادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعة المال (دنیا سے اعراض کرنے کا یہ منشاء نہیں ہے کہ تم حلال چیزوں کو چھوڑ دو اور مال کو ضائع کردو)۔

توکل وصبر

شراح حدیث نے توکل کی اس سے زیادہ واضح تفسیر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توکل سے پہلے حصول رزق کے لیے کوشش ایک ضروری امر ہے، ملا علی قاری نے ایک عورت کے قضیہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے کہ کسی غریب عورت کا یہ معمول تھا کہ چکی پیستے ہوئے کہا کرتی تھی کہ اللّٰھم ارزقنا شارح مشکوٰۃ (علی قاری) نے اسی کے ذیل میں لکھا ہے۔

"فیه اشارة الی أن العبد فی طلب الحلال ما أمکنه الوقت ثم یستعین فی تحصیل أمره بالملك المتعال" بتلاتا یہ ہے کہ بندہ اپنے امکان بھر حصول رزق کے لیے کوشش کرتا ہے پھر تکمیل کے لیے خدا سے دعا مانگتا ہے: "وَلَا تَبْسُطْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلیٰ عُنُقِكَ" سے اسی توکل کو منع کیا گیا ہے توکل کا جو حقیقی مفہوم ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ: "مَایَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهٗ وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ" جو خدا کی طرف سے آتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے اس نے روکا اسے کوئی دوسرا بھیج نہیں سکتا، توکل کا تعلق قلب سے ہے نہ صورت سے مسلم کی روایت ہے:

"ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم وأموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم" خدا کو ظاہر حال سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ باطن کو دیکھتا ہے اور اعمال پر نظر رکھتا ہے۔

کیا "سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کی تصدیق اسی کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں: "وأحق ماقال أبی یغترون أم علی یجترؤن"۔

بہرحال اسلام ان تمام اسباب کا دشمن ہے جن سے افلاس پیدا ہوتا ہے اور اس نے ایک قلم ایسے لوگوں سے تنفر ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد ہم مختصراً ان اسباب سے بحث کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے اس لابدی افلاس کا کیا انتظام کیا ہے جو تقاضائے فطرت ہے، ایک بچہ جس کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے، وہ کیا کرسکتا ہے، ایک پردہ نشین جو اپنے محبوب خاوند سے جدا ہوچکی ہے کیونکر بسر اوقات کرسکتی ہے، اسلام اس سے بے خبر نہیں ہے، اس نے پہلے ہی ایک حکم عام جاری کردیا: "وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ" (ہماری دی ہوئی چیزوں سے کچھ خرچ کرو) اصطلاح قرآنی میں انفاق کا لفظ صدقات کے لیے مستعمل ہوتا ہے، آگے چل کر دوسرے مقام پر تفصیل سے بتایا ہے کہ اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں جن میں فقراء، یتامیٰ، اراملِ سب داخل ہیں، ترمذی کی روایت ہے:

"الساعی علی الأرملة والیتیم کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ" یتیموں اور محتاجوں کی خبرگیری کرنے والا مجاہد کے برابر ہے۔

قرآن مجید میں انفاق کی تمثیل ایک دانہ سے دی گئی ہے جس سے متعدد بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں (دانوں کی) ایک بڑی مقدار موجود، ہمارا خیال ہے کہ اس تمثیل کا تعلق ارامل وایتام، فقراء ومساکین سے صرف تمثیلی تعلق نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے کیونکہ ان کی پرورش افزائش نسل اور تکثیر فوائد کا باعث ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب اسرار زکوٰۃ میں لکھتے ہیں: "وربما تکون المصلحة أن یلھم فی قلب زکی أن یقوم لسد خلته" صدقات وزکوٰۃ کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اکثر اوقات بندوں کی جناب باری سے مساکین کے قضاء حوائج کا الہام ہوتا ہے)۔

احادیث صحیحہ میں بہت وضاحت کے ساتھ اس سر کو بتلایا گیا ہے کہ "تؤخذ من أغنیائھم وترد علی فقرائھم" امراء سے زکوٰۃ لی جاتی ہے، اور اسی سے فقراء کی پرورش کی جاتی ہے، اصحاب صفہ کا گذرا اسی پر تھا، اصحاب توکل اہل صفہ سے استناد نہیں لاسکتے کیونکہ وہ امر الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے وہ اسلام کے غاشیہ برداروں میں تھے، انھوں نے اس پاک مذہب کو دنیا کے ہر ہر گوشہ میں پھیلایا خود عہد نبوت میں احکام کی تعلیم ان کا فرض مذہبی تھا، اس لیے ان کا حق تھا کیونکہ اجر بقدر کفاف متعدد واقعات سے ثابت ہے۔

ان تمام تصریحات سے بخوبی روشن ہوگیا کہ اسلام نے افلاس کو جڑ سے مٹا دیا اور اس کا کلی استیصال کردیا ہے، مگر یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم ان پر عامل نہیں ہوئے۔

☆☆☆☆☆

عالم اسلام

مسیحیت کے عالمی عزائم

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

دنیائے اسلام میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں نئی نہیں ہیں، پچھلے کئی سو سال سے ان کی سرگرمیاں جاری ہیں، جب دنیائے اسلام میں نو آباد کاری، یعنی colonization کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سے پہلے مسیحی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں، جہانگیر کے زمانے میں ہندوستان میں بڑی تعداد میں مشنری آچکے تھے، کسی وجہ سے اکبر اور جہانگیر جیسے حکمرانوں نے عیسائی مشنری کو اجازت دے دی کہ وہ ہندوستان میں اپنی سرگرمیاں منظم کریں، اس زمانے میں تاجر اور مسیحی مشنریوں دونوں اس طرح مل جل کر کام کر رہے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے مقاصد کو آگے بڑھا رہے تھے، تاجر جب پیش رفت کرتے تھے تو عیسائی مشنریوں کے کام میں مدد ملتی تھی، عیسائی مشنری اپنے کام کو جتنا منظم کرتے تھے، اس سے تاجروں کے کام میں مدد ملتی تھی، اس طرح ہوتے ہوتے تقریباً دو سو ڈھائی سو سال کا زمانہ ایسا گزرا کہ تجارت اور مشنری سرگرمیاں دونوں ایک ساتھ چلیں اور جہاں جہاں انگریزوں کی تجارت منظم ہوتی گئی وہاں وہاں عیسائی مشنریاں بھی بہت زیادہ فعال اور مضبوط ہوگئیں۔

اس دور میں عیسائی مشنریوں اور کمپنیوں کی تجارتی سرگرمیوں کی تاریخ دیکھی جائے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ ساحلی علاقوں میں پھیلایا، ساحلی علاقوں میں ان کے پاس بڑی مضبوط بحری طاقت تھی، پوری دنیا پر ان کا کنٹرول اسی بحری طاقت کے ذریعے تھا، اسی کے بل پر ان کے لیے یہ بات بڑی آسان تھی کہ وہ ساحلی علاقوں میں جا سکیں، اور اگر انھیں وہاں کوئی خطرہ درپیش ہو تو وہاں سے فرار بھی ہو سکیں، چنانچہ انھوں نے ممبئی میں، سورت میں، مدراس، کلکتے، کراچی، سنگاپور، ملیشیا، اور گاتا میں اپنی سرگرمیاں منظم کیں، آپ پوری دنیائے اسلام کا نقشہ سامنے رکھیں تو سب سے زیادہ مسیحی سرگرمیوں کی تنظیم آپ کو ان ساحلی علاقوں میں ملے گی جو بڑے تجارتی مراکز تھے، یا بعد میں بڑے تجارتی مراکز بن گئے، مسلمان حکمرانوں نے اپنی سادہ لوحی، عاقبت نا اندیشی، بے وقوفی، مفادات یا کسی اور سبب سے عیسائی مشنری سرگرمیوں سے غفلت برتی، جیسے آج بہت سی چیزوں سے وقتی مفاد کی خاطر ہمارے ہاں غفلت برتی جارہی ہے، فوری، چند ٹکے کے مفاد کی خاطر وہ مراعات عیسائی مشنریوں کو دی گئیں جن کے نتائج آج ہم سب بھگت رہے ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلے اورنگ زیب عالم گیر کو اس کا احساس ہوا کہ یہ سلسلہ بڑا غلط ہے، اس نے ان کی تجارتی کوٹھیاں چھین لیں، فرنگی محل لکھنؤ میں ایک بہت بڑی حویلی تھی، اورنگ زیب نے وہ حویلی بعض علماء کو دیدی کہ آپ یہاں دینی مدرسہ قائم کرلیں چنانچہ فرنگی محل کے نام سے علماء کا جو طویل سلسلہ ہے، یہ اسی تجارتی کوٹھی میں قائم ہوا تھا، اس میں سو، سوا سو سال تک ایک بڑا دار العلوم قائم رہا، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، مولانا عبد الحی فرنگی محلی سمیت علماء کا طویل سلسلہ اس سے پیدا ہوا۔

عالم اسلام میں مسیحی سرگرمیاں

صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ہر گوشے میں ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ افریقہ میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ جب انگریز یہاں آیا تو زمین ہمارے ہاتھ میں تھی اور کتاب اس کے ہاتھ میں تھی، یعنی بائبل، اور جب انگریز یہاں سے گیا تو کتاب ہمارے ہاتھ میں تھی اور زمین انگریز کے ہاتھ میں تھی، گویا انھوں نے ہمیں عیسائی بنا دیا اور ہماری زمینوں پر اور جایدادوں اور مال و دولت پر قبضہ کرلیا، یہ پورے افریقہ میں ہوا، افریقہ کے بیشتر حصوں پر کئی کئی سو سال انگریز قابض رہے، اور بعض علاقے تو ایسے تھے کہ انھوں نے اس کو تقریباً گوروں کا ملک تصور کر کے کالوں کو وہاں سے نکال دینے کی کوشش کی، یا کالوں کو انھوں نے اس طرح سے مٹا دینا چاہا کہ وہ کبھی بھی ان کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوسکیں، چنانچہ جنوبی افریقہ، زمبابوے وغیرہ یہ سب علاقے وہ تھے جہاں پر انگریزوں یا گوروں کی لاکھوں کی آبادیاں ہیں اور ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ہم یہاں مستقل حکمراں رہیں گے، چنانچہ ۴۰۰ سال وہ جنوبی افریقہ پر حکمراں رہے ساڑھے تین سو پونے چار سو سال روڈیشیا میں حکمران رہے جس کا نام اب بدل کر زمبابوے کردیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ اس پورے علاقے میں اکثریت کو انھوں نے عیسائی بنا لیا، جہاں جہاں عیسائی حکمراں ہوئے

وہاں افریقی اکثریت عیسائی ہوگئی، اس لیے کہ ان کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ ان کے سابقہ مذاہب میں کوئی جان نہیں تھی، کوئی تہذیب نہیں تھی تمدن نہیں تھا، تعلیم نہیں تھی، اس لیے بہت جلد ہی عیسائی مشنریوں نے ان کو اپنے دام میں لے لیا اور وہ عیسائی ہوگئے۔

مسلم ممالک میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک کوئی بھی مسلم ممالک ایسا نہیں تھا، جہاں انھیں ایک فی صد یا ایک فی ہزار بھی کامیابی ہوئی ہو۔ ان پورے ۳۰۰ سال میں ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں میں سے انھوں نے کسی کو عیسائی بنایا ہو، اس بارے میں جتنے دعوے ہیں وہ سب کے سب یا تو مبالغے پر مبنی ہیں یا جھوٹ پر مبنی ہیں یا مسلمانوں کے خوف کی پیداوار ہیں کہ سندھ میں انھوں نے ۱۰ لاکھ مسلمانوں کو عیسائی کرلیا، وہ سب غلط ہے۔ اکا دکا واقعات کہیں ان کے ذہن میں واضح ہے کہ مسلمانوں کو بڑی تعداد میں عیسائی نہیں بنا سکتے۔ کم از کم اب تک مسلمانوں کی تعلیم اور دینی حمیت کی وجہ سے صورت حال یہی ہے، آیندہ کیا ہوگا، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

مسیحیوں کی حکمت عملی اور ترجیحات

عیسائی کیوں اتنے تسلسل اور ارتکاز کے ساتھ کام کر رہے ہیں؟ اس پر غور کریں، ان کی تحریریں دیکھیں جو وقتاً فوقتاً چھپتی رہی ہیں، تو اس کے دو بڑے اسباب ہوتے ہیں۔ اس کا ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں بسنے والے ان غیر مسلموں کو جو معاشی اور معاشرتی اعتبار سے زیادہ اونچا مقام نہیں رکھتے عیسائی بنایا جائے، اور عیسائی بنانے کے لیے ان کو یہ تاثر دیا جائے کہ ان کا معاشرتی مقام عیسائی بن کر بلند ہوجائے گا، کم از کم وہ عیسائیوں کے ساتھ برابر کی سطح پر سمجھے جانے لگیں گے۔ اس طرح سے ان کو عیسائیت کے دائرے میں داخل کیا جائے۔ یہ چیز بڑی کامیابی کے ساتھ ہندوستان میں، پاکستان میں، بنگلہ دیش میں عیسائیوں نے کی ہے۔

ہندوؤں میں طبقاتی نظام تھا اور چار بڑے طبقات تھے جن کو تمام حقوق حاصل تھے۔ ان چار طبقات سے نیچے جو لوگ تھے جنھیں اچھوت کہتے ہیں ان کا کوئی طبقہ نہیں تھا۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سالہ دور حکومت میں بھی اس طبقے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور اس طبقے میں قبول اسلام کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو وہ بھی قابل ذکر نہیں تھا۔ اس لیے نتیجہ خیز نہیں ہوا اور وہ طبقہ اسی طرح ایک ہزار سال تک پستا رہا، مسلمانوں نے بھی اسے پینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لئے اس طبقے میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی ہم دردی کا جذبہ نہیں پایا جاتا تھا، لیکن جب عیسائی مشنری آئے تو انھوں نے سب سے زیادہ اس طبقے پر کام کیا، آپ دیکھیے پاکستان میں آج جتنا بھی خاک روبوں کا طبقہ کہلاتا ہے، یہ سارے کا سارا وہی ہے جو اچھوت ہے اور جسے ہندوؤں نے دبا کر رکھا تھا۔ عیسائیوں نے ان کو عیسائیت میں داخل کرلیا۔

دنیائے اسلام کے بیش تر علاقوں میں یہی حکمت عملی نظر آئے گی کہ غیر مسلموں کا وہ طبقہ جو معاشرتی اعتبار سے کم زور تھا اس کو انگریزوں نے سرپرستی کے نتیجے میں ایک قابل ذکر تعداد عیسائیوں کی پیدا ہوگی۔ یہ کام بڑی آسانی سے خاموشی کے ساتھ کئی سو سال میں ہوا ہے۔ آج عیسائیت کی آبادی پاکستان میں تین چار فی صد سے زیادہ نہیں ہے، لیکن بتدریج ان کا اجتماعی اور سیاسی کردار تیزی کے ساتھ بڑھایا جارہا ہے۔ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ پاکستان، سوڈان، لبنان، عراق، وسط ایشیا، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ان علاقوں میں عیسائی اقلیت کو بڑی تیزی کے ساتھ ترقی دی جارہی ہے، اور بڑی تعداد میں اس پر وسائل صرف کیے جارہے ہیں۔

لبنان: ایک مثال

تاریخ عبرت کے لیے ہے، لوگ تاریخ پڑھتے ہیں لیکن سبق نہیں لیتے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ". [آل عمران: ۳/۱۳] (دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے)، "فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ". [یوسف: ۱۲/۱۱۱] (اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل وہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے)، اس کی ایک مثال لبنان ہے۔

لبنان ایک چھوٹا سا ملک ہے اور اتنا چھوٹا نقشہ ہو تو روئے زمین پر نظر بھی نہ آئے لیکن دنیا کے خوبصورت ترین مقامات میں سے ایک ہے، یہ روایتی طور پر شام کا ایک حصہ تھا، اور کبھی بھی الگ ملک نہیں تھا، شام میں ایک پہاڑ کا نام لبنان تھا، لیکن عیسائی مشنریوں نے وہاں تقریباً ڈھائی سو سال پہلے سے کام کرنا شروع کیا، اس وقت یہ مسلم اکثریت کا علاقہ تھا، شام میں ہمیشہ مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے، شامی مسلمانوں کی دینی حمیت اور دینی روایات پر پختگی ہمیشہ سے مشہور ہے، بڑے بڑے اہل علم، علماء و صلحا اور بڑے بڑے

محدثین سب شام میں پیدا ہوئے۔ ڈھائی تین سو سال پہلے وہاں عیسائی مشنریوں نے کام کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ایسے طبقات جو مسلمانوں میں برابر کی سطح پر نہیں مانے جاتے تھے، ان کو عیسائیت میں داخل کرنا شروع کیا۔ اس دوران باہر کے عیسائی بھی وہاں آ کر بستے گئے۔ وہاں بسنا اس لیے آسان تھا کہ لبنانی باشندے بھی خوبصورت گورے ہوتے ہیں اور عیسائی یورپ سے آنے والے بھی گورے ہوتے ہیں، تو رنگ کی اس یکسانیت کی وجہ سے باہر سے آنے والوں کا پتا نہیں چل سکتا۔ پاکستان میں، سندھ میں اگر باہر سے لا کر سو انگریزوں کو بسا دیں تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ انگریز ہیں۔ البتہ لبنان جیسے علاقے میں ۲۵، ۳۰ سال کے بعد بھی پتا نہیں چلے گا کہ فلاں کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔

اس طرح عیسائی مشنریوں نے عیسائیوں کو باہر سے آہستہ آہستہ لا کر یہاں بسانا شروع کیا۔ آس پاس کے قرب و جوار سے، مصر سے، شام سے، عراق سے، ترکی سے، جو عیسائی ہوتا گیا اسے لا کر بساتے گئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لبنان میں عیسائیوں کی آبادی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ۲۵، ۳۰ فی صد ہو گئی، جب یہ ہو گیا تو انھوں نے لبنان کو ایک الگ ملک بنا دیا اور اس ملک میں اختیارات کی تقسیم یہ کی کہ اس میں اتنے فیصد عیسائی ہوں گے، اتنے فیصد شیعہ ہوں گے، اور اتنے فیصد سنی مسلمان ہوں گے، ان کے درمیان تقسیم کار یہ ہوگی کہ صدر مملکت ہمیشہ عیسائی ہوگا، وزیر اعظم شیعہ ہوا کرے گا یا سنی مسلمان، اور پارلیمنٹ کا اسپیکر فلاں مسلمان ہوا کرے گا، اس طرح عملاً انھوں نے لبنان کو ایک مکمل عیسائی مملکت بنا دیا۔

اس کے بعد عیسائیوں کی جتنی بھی مشنری سرگرمیاں عرب دنیا میں ہیں، وہ ساری کی ساری لبنان سے منظم ہوتی ہیں، امریکن یونیورسٹی بیروت وہاں ہے، جتنے عیسائی یونیورسٹی، کالج اور اسکول لبنان میں بنے اتنے عرب دنیا میں نہیں بنے، اور وہاں سے بیٹھ کر انھوں نے پوری دنیا میں، مسلم دنیا میں، عرب دنیا میں سیکولرزم اور لامذہبیت اور عرب نیشنل ازم کو فروغ دیا، عرب نیشنل ازم پر اور مسلم امت کے تصور کے خلاف سب سے زیادہ جو لٹریچر چھپا، وہ ۹۰ فی صد لبنان سے چھپا، عربی ادب اور صحافت کے نام پر جتنے بڑے صحافی اور ادیب عرب دنیا میں سیکولرزم کے علم بردار پیدا ہوئے، وہ لبنان سے پیدا ہوئے، اب اندازہ ہوتا ہے کہ لبنان کو کس کام کے لیے تیار کیا جا رہا تھا، کیوں ایسا ہو رہا تھا، اس سے پتہ چلا کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں اس کی وہ کئی سو سال پہلے منصوبہ بندی کرتے ہیں، اور ان کے ذہن میں کام کا مکمل نقشہ کام شروع کرنے سے پہلے موجود ہوتا ہے۔

کمزور طبقات: خصوصی ہدف

گذشتہ دو ڈھائی سو سال ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اسی طرح منظم محنت کی گئی، کم زور طبقات کے بارے میں یہ کوشش ہوئی کہ انھیں عیسائیت کی طرف لایا جائے، ہندوؤں کے اچھوتوں اور کم زور طبقات کو عیسائیت میں داخل کیا گیا، وہ اسی طرح بھنگی اور خاک روبی کا کام کرتے رہے، مسلمانوں نے کہا کہ پہلے ہندو تھے، اب عیسائی ہو گئے، ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، کسی مسلمان نے اس پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے، اس کے بعد جب ایک بڑا طبقہ بن گیا اور تین چار نسلیں اس پر گذر گئیں، دو تین نسلیں گزرنے کے بعد ان میں پختگی آتی ہے، ورنہ وقتی طور پر آدمی نہیں سوچ سکتا کہ ہمیں کوئی کسی اور مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے، دو تین نسلوں کے بعد پختگی آ گئی تو انھوں نے اس طبقے میں سے افراد کو چھانٹنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ انھیں انگلستان اور امریکا میں اعلیٰ تعلیم دینا شروع کی۔ اس کے بعد انھیں اہم مناصب پر عدلیہ میں، سول سروس میں، پولیس میں لا کر بٹھا رہے ہیں، ہمارا مزاج یہ ہے کہ انگلستان کا پڑھا ہوا تعلیم یافتہ اور انگریزوں کی طرح سے فر فر انگریزی بولتا ہوا ہمارے یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کے مسلمانوں جیسا نام رکھنا

یہ کوشش جب کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسلمان ممالک میں جن کے نام میں بھی بشیر، مسیح، فلپ یا پیٹر ہو تو پتہ چلتا ہے کہ یہ عیسائی ہے، عرب دنیا میں انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس کو آزمایا تھا، اب یہاں بھی اس کو آزما رہے ہیں، عرب دنیا میں انھوں نے آج سے ۵۰، ۶۰ سال پہلے یہ طے کیا کہ جو شخص عیسائی ہو وہ نام انگریزی یا یوروپین زبان کا اختیار نہ کرے، بلکہ عربی نام ہی اپنائے، آپ کو وہاں الیاس، ابراہیم اور موسیٰ، عیسیٰ بہت ملیں گے، دنیائے عرب میں بے شمار عربی نام رکھنے والے ملیں گے، آپ کو کوئی اندازہ ان کے لب و لہجے سے نہیں ہوگا کہ یہ عیسائی ہے۔

پاکستان میں آپ کو عبدالقیوم اور بشیرالدین کے نام سے بہت سے عیسائی ملیں گے، اگر آپ عیسائیوں کے جو رسالے نکلتے ہیں ان کو پڑھیں تو آپ کو عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے، مسلمان

نام رکھنے والے سیکڑوں کی تعداد میں ملیں گے، کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا، معاشرے میں رہتے ہوں گے، میڈیکل ڈاکٹر کے طور پر پریکٹس کرتے ہوں گے، عبدالقیوم نام ہوگا، ڈاکٹر عبدالقیوم سیالکوٹی، آپ کو ساری عمر پتہ نہیں چلے گا کہ یہ عیسائی ہے لیکن وہ ہوگا عیسائی اور عیسائیت کی تبلیغ کر رہا ہوگا۔

گرجے کی مسجد سے مشابہت

عیسائیت کی تبلیغ کے حوالے سے ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ آدمی جب مسلمان سے عیسائی ہوتا ہے تو مسلم معاشرے سے کٹ جاتا ہے اور مسلم معاشرے سے کٹ جانے کے خوف سے عیسائیت قبول نہیں کرتا، اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ وہ تمام تدابیر اختیار کی جائیں کہ ایک دنیا عیسائی مسلم معاشرے سے کٹنے نہ پائے، بلکہ اسی معاشرے کا حصہ رہے، اور اس معاشرے کے نسبتاً جو زیادہ سیکولر لوگ ہیں ان میں گھل مل جائے اور اس سیکولر طبقے کو اپنے قریب لانے کی کوشش کرے۔

مسلم معاشرے میں عیسائی جب ایک خاص تعداد میں ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے مذہبی مراسم کے لیے کوئی گرجا گھر بناتے ہیں تو مسلم معاشرے میں بڑا ردعمل پیدا ہوتا ہے، کسی مسلم شہر میں گرجا بنائیں تو ردعمل ہوتا ہے، لوگ نکیر کرتے ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ گرجا بنایا جا رہا ہے، اب انھوں نے یہ طے کیا ہے کہ جو گرجا بنایا جائے گا وہ ایک خاص طرز کا ہوگا، بعض مسلم ممالک میں قوانین ایسے موجود ہیں، جیسے پاکستان میں ہیں کہ جو مسلم امتیازی شعائر ہیں، ان کو غیر مسلم اختیار نہیں کر سکتا، اسی طرح اور ممالک میں بھی یہ قوانین ہیں، اس کا حل انھوں نے یہ نکالا ہے کہ ہم آپ کو اس طرح کا ڈیزائن بنا کر دیں گے کہ جو سو فی صد مسلمانوں کی مسجد کا نمونہ تو نہ ہو لیکن درمیانے طور پر بین بین اس طرح کی چیز ہو کہ انجان آدمی اس کو گرجا نہ سمجھے، مسجد تو شاید سمجھ لے لیکن گرجا پر کسی کا گمان نہ ہو، اسلام آباد میں لقمان حکیم روڈ پر ایسا ہی ایک گرجا موجود ہے۔

پھر ایک تجویز ان کو یہ دی گئی کہ گرجا کو گرجا یا چرچ نہ کہا جائے بلکہ اس کو مسیحی مسجد کہا جائے، اور یہ کہا گیا کہ دیہاتیوں کو، جاہلوں کو اس طرح کا تاثر دیا جائے کہ جیسے مسلمانوں میں وہابیوں کی مسجد اور غیر مقلدوں کی مسجد اور سنیوں کی مسجد اور فلاں فلاں مسجد کے نام ہیں، اسی طرح سے مسیحیوں کی مسجد کے نام سے اسے مشہور کر دیا جائے اور عیسائی وہاں آنے جانے میں کوئی جھجک اور تامل محسوس نہ کریں، پاکستان میں یہ سلسلہ شروع ہوا ہے۔

یہ چند مثالیں تو میں نے آپ کو دی ہیں کہ کس طرح سے نئے انداز سے عیسائیت کی تبلیغ کا کام ہو رہا ہے۔ یہ تفصیلات ایک رپورٹ سے ماخوذ ہیں، جب ہم نے دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد میں عیسائیت کے بارے میں یہ کورس شروع کیا تو اس رپورٹ کا ترجمہ کروایا تھا، جو مطبوعہ بھی تھا، ممکن ہے کہ اس کی ایک کاپی دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد کی لائبریری میں محفوظ ہو، یہ سیمینار غالباً ۱۹۷۸ء یا ۱۹۸۰ء میں امریکا میں ہوا تھا، اور بڑا قابل ذکر سیمینار تھا جو چھ مہینے جاری رہا تھا، اس میں دنیائے اسلام کے ہر بڑے ملک کے ایک ایک یا دو دو ایسے پادریوں کو بلایا گیا تھا جنھوں نے ۴۰، ۵۰ سال عیسائیت کی تبلیغ کی تھی، ان کے تجربات کی روشنی میں مسیحیت کے فروغ کے لئے تجاویز دی گئی تھیں۔ اس سیمینار کے مقالہ جات خفیہ طور پر شائع کیے گئے، لیکن کسی مسلمان کے ہاتھ لگ گئے، اس نے بڑی تعداد میں شائع کر کے اہل علم کو فراہم کر دیے۔ اس میں مختلف مضامین غور و فکر کے لائق ہیں، خاص طور پر پاکستان کے بارے میں جو مضمون ہے وہ واقعی ایسا ہے کہ اگر کوئی پڑھے تو اس کو کئی دن تک نیند نہ آئے اور پریشان رہے، اس رپورٹ کو پڑھ کر ہماری کیفیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے بالکل آپ دشمن کے سامنے پلیٹ کے طور پر رکھے ہوں اور آپ کی طرف سے کوئی مدافعانہ کارروائی نہ ہو رہی ہو، اور دشمن ہماری ایک ایک چیز سے باخبر ہو۔

عالمی غلبے کی حکمت عملی

یہ تو وہ چیزیں ہیں جس میں عیسائیت کی تبلیغ کی رکاوٹیں اور مشکلات پر غور کیا گیا کہ انھیں کس طرح دور کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک طویل منصوبہ بندی اور حکمت عملی بھی بنائی گئی کہ پوری دنیا میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کیا کرنا چاہیے اور کیسے اس کام کو آگے بڑھایا جائے، آج سے کچھ عرصے پہلے ۱۹۷۵ء میں ایک اجلاس غالباً ویٹی کن میں ہوا تھا، یہ ورلڈ کونسل آف چرچز کا اجلاس تھا، یعنی آپ اسے مجلس کلیسائے عالم کہہ سکتے ہیں یا مجلس کنیسائے عالم، اس میں اسی طرح سے کئی مہینے کے غور و فکر کے بعد دنیائے اسلام میں عیسائیت کی تبلیغ کا ایک نقشہ بنایا گیا تھا کہ کس طرح کام کیا جائے، گویا آئندہ ۲۵ سالہ کام کا وہ نقشہ تھا جو آخر بیسویں صدی کے ۲۵ سال ہیں۔ خاص طور پر تین ممالک اس کا بڑا ہدف تھے: سوڈان، بنگلہ دیش اور انڈونیشیا۔

ان تین ممالک کو کیوں منتخب کیا گیا؟ ان تین ممالک میں جو چیز قدر مشترک تھی وہ یہ تھی کہ یہاں غیر مسلموں کی قابل ذکر آبادی موجود تھی، بنگلہ

دیش میں تو ۲۵ فی صد ہندو ہیں، جنوبی سوڈان میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، اور انڈونیشیا میں ۲۰،۲۲ فی صد کے قریب غیر مسلم ہیں، دوسری قدر مشترک یہ تھی کہ ان ممالک میں مسلمانوں کی بڑی تعداد دین سے ناواقف اور دینی تعلیم سے عاری تھی، تیسری بڑی قدر مشترک ان سب میں یہ تھی کہ یہ تینوں علاقے دنیائے اسلام کے تین کونوں پر واقع تھے۔ سوڈان ایک ایسے محل وقوع پر واقع ہے کہ اس کے ایک طرف ساری غیر مسلم آبادیاں ہیں اور ایک طرف سے مسلم آبادیوں سے ملا ہوا ہے، مسلم آبادیوں کو ہدف بنانے کے لیے اس راستے کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اور ان کا جو حصہ ہے غیر مسلموں سے ملا ہوا ہے، وہاں سے غیر مسلموں کو مدد فراہم کی جاسکتی ہے، ایسا ہی محل وقوع انڈونیشیا اور بنگلہ دیش کا ہے، جغرافیائی اعتبار سے ان تینوں ممالک کا تقریباً ایک جیسا محل وقوع ہے۔

ایک قدر مشترک یہ تھی کہ یہاں جو مسلمان ہیں وہ اپنی تعلیم کی کمی کے باوجود بڑے پر جوش اور جذباتی مسلمان ہیں، اور ان کے جوش و جذبے کو اسلام کے بجائے عیسائیت کے مفاد میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اس اجلاس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ آئندہ ۲۵ سال میں یہاں عیسائیت کا ارتکاز اتنا کیا جائے کہ ان علاقوں کی ۲۰، ۲۵ فیصد آبادی کو عیسائی بنالیا جائے، اور وہ ۲۵ فیصد آبادی تعلیم میں، تمدن میں، ملازمت میں، تجارت میں، مال و دولت میں اتنی مضبوط ہو کہ بقیہ ۷۰ فیصد سے آگے ہو، اس ہدف کے حصول کے لیے انھوں نے انڈونیشیا، بنگلہ دیش اور سوڈان میں کام کا آغاز کیا۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

موجودہ المیہ

فحاشی کو روکنے کی ضرورت

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

آج کل کے اخبارات چاہے کسی بھی زبان سے تعلق رکھتے ہوں، اس لائق نہیں رہ گئے ہیں کہ گھروں میں ان کا داخلہ ہو، گندے اور فحش اشتہارات اور فحش باتوں اور واقعات کا ناول کے انداز میں پیش کرنا ان کا شیوہ بن گیا ہے اور خاص طور پر جب سے دہلی کا وہ دلدوز واقعہ پیش آیا ہے جس نے درندوں اور جانوروں کو بھی شرمادیا ہے، اخبارات کا اس قسم کا واقعات کو رنگ آمیزی سے پیش کرنا اور اس بہانہ اخبارات کی اشاعت بڑھانا اپنا فرض سمجھ لیا ہے اور حکومت ہند اس قدر بے بس ہوگئی ہے کہ لگتا ہے ہندوستان میں کوئی حکومت موجود ہی نہیں ہے اور ملک خود بخود فحاشی اور ظلم و زیادتی کی ڈھلان پر لڑھکتا چلا جارہا ہے، ملک کے خود ساختہ دانشور اور سیاسی لیڈران ہر مسئلہ پر بیان دے کر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں، اس سے زیادہ کچھ کرنا ایسی خطرناک صورت حال سے ملک وقوم کو نکالنا اور اس کے لیے ایسی تدبیریں کرنا جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو، اِن کی اُن کو نہ فکر ہے اور خیال ہے۔

اگر کچھ فکر مند لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف قانون بنانے سے کچھ نہ ہوگا، قانون کا نفاذ کرنے والے وہی ہیں جو پہلے سے موجود قانون کا نفاذ کررہے تھے، لیکن معاشرہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا، معاشرہ میں ایسا فساد اور بگاڑ پیدا کردیا گیا ہے اور مسلسل ٹی وی، اخبارات اور انٹرنیٹ کے ذریعہ بگاڑ پیدا کیا جارہا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں کے دل و دماغ میں جنسی زہر بھرا جارہا ہے، اس کا نتیجہ یہی ہونا ہے، جو اس وقت ہورہا ہے۔

معاشرہ کے بگاڑ اور جان بوجھ کر نوجوان نسل میں پھیلائی جارہی فحاشی کو جدید تہذیب بتا کر جو کام کیا جارہا ہے اس کو روکنے کی ضرورت ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت کو اس کی فکر ہے اور نہ ملک وقوم کے دانشوروں کو، بلکہ حیرت کی بات ہے کہ اس مادر پدر آزاد تہذیب جو جانوروں کو شرما دے، اس کے خلاف اگر کوئی بولتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے تو ایسے شخص کے خلاف ہنگامہ برپا کردیا جاتا ہے اور اس کو دقیانوسی اور تنگ نظر کا خطاب دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حکومت نے نہایت سخت قانون بنایا ہے اور طرفہ تماشا ہے کہ جب سے قانون بنا ہے فحاشی کے واقعات وبا کی طرح پھیل گئے ہیں اور اخبارات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں اب صرف یہی کام ہو رہا ہے، اور پورا پورا ملک آہ آہ کررہا ہے، لیکن نہ کسی کو اصلاح کی فکر ہے اور نہ اس طوفان بلا کے سامنے باندھ بنانے کی فکر، بارود اور آگ کو ایک ہی جگہ رکھنے کا کام کیا جارہا ہے، اور دھماکہ ہونے پر شور مچایا جارہا ہے۔

☆☆☆☆☆

نقوش جاوداں

......روشنی بخش دی زمانہ کو

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے بعد جب اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زر فدیہ بھیجا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کو جنہیں مسلمانوں نے قید کرلیا تھا، چھڑانے کے لیے کچھ مال روانہ کیا، جس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو ابوالعاص کے ساتھ رخصت کرتے وقت دیا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہار کو دیکھا تو بے قرار ہو اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر معمولی تاثر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو یوں ہی آزاد کردو اور اس کا سامان اسے واپس لوٹا دو، صحابہ کرامؓ تو ہمہ وقت جاں نثاری و فرمانبرداری کے لیے تیار رہا کرتے تھے، فوراً عرض کیا، حضور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر، ہم بخوشی راضی ہیں ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوالعاص کو آزاد کردیا گیا اور حضرت زینبؓ کا سامان بھی واپس کردیا گیا۔ [اخرجہ الحاکم: ۳/۲۳۶]

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ بھی ہجرت کے ارادہ سے کنانہ یا ابن کنانہ کے ساتھ نکلیں، قریش کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعاقب کیا، کسی طرح ان کا ایک آدمی ہبار بن اسود حضرت زینبؓ کے قریب پہونچ گیا، اس نے انہیں روکنے کے لیے ان کے اونٹ پر نیزوں کے پیہم وار کیے جس سے حضرت زینبؓ نیچے آگریں اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا، اس نازک اندام شہزادی کے لیے یہی جسمانی تکلیف کیا کم تھی کہ دوسری طرف ہند بنت عتبہ بن ربیعہ یہ کہہ کر انہیں روحانی اذیت دیا کرتی تھیں کہ یہ سب تمہارے باپ کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو مکہ مکرمہ سے حضرت زینبؓ کو لانے کی ذمہ داری سونپی جسے انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا۔

ہوا یوں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زینبؓ کو مکہ سے لانے کی بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ یہ انگوٹھی زینبؓ کو دے دینا، وہ اسے پہچان لے گی، حضرت زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی لے کر روانہ ہوئے، مکہ کرمہ پہونچ کر ان سے ملنے کی مختلف تدابیر کرتے رہے حتیٰ کہ ایک روز ان کی ملاقات ایک چرواہے سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا، تم کس کے خادم ہو؟ اس نے بتایا کہ ابوالعاص کا، انہوں نے پھر پوچھا، یہ بکریاں کس کی ہیں؟ کہا زینب بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی، کچھ دور تک وہ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلتے رہے پھر اچانک موضوع بدل کر بولے، یہ بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی امانت دوں تو کیا تم خاموشی سے زینب تک پہونچا سکتے ہو؟ اس نے فوراً کہا، کیوں نہیں؟ بالکل پہونچا دوں گا، حضرت زیدؓ نے وہ انگوٹھی اس کے حوالہ کردی جسے لے کر وہ آگے بڑھ گیا، جب بکریاں لے کر گھر پہونچا تو چپکے سے وہ انگوٹھی حضرت زینبؓ کو دیدی، انہوں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑی بے تابی سے پوچھا، تمہیں یہ انگوٹھی کہاں سے ملی، اس نے بتایا ایک اجنبی نے مجھے آپ تک پہونچانے کے لیے دی تھی، انہوں نے دوبارہ معلوم کیا، تم نے اس آدمی کو کہاں چھوڑا تھا؟ اس نے ان کا پورا پتہ بتادیا، یہ سن کر وہ خاموش ہوگئیں، رات ہوئی تو خاموشی سے اٹھ کر دبے پاؤں اسی طرف چل دیں جہاں ان کے چرواہے کی حضرت زیدؓ سے ملاقات ہوئی تھی، حضرت زیدؓ وہیں موجود تھے، حضرت زینبؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو فوراً اونٹ کو آگے بڑھا کر کہا: "آپ اونٹ پر آگے تشریف رکھئے، میں پیچھے بیٹھتا ہوں، حضرت زینبؓ نے فرمایا نہیں، آپ آگے بیٹھئے، میں پیچھے بیٹھوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت زیدؓ آگے سوار ہوئے اور حضرت زینبؓ پیچھے بیٹھیں، اسی طرح وہ دونوں مدینہ پہونچے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: یہ میری سب سے اچھی بیٹی ہے

جس نے میری خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ [اخرجہ الحاکم: ۳/۲۳۶]

ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی طرف مال تجارت لے کر نکلے، واپسی پر مسلمان دستوں نے ان کے ہمراہیوں کو مع تمام مال واسباب گرفتار کرلیا، ابوالعاص کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، رات ہوئی تو اپنے مال کی واپسی کے لیے چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہونچے، انہوں نے پناہ دیدی، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو حضرت زینبؓ نے پکار کر کہا: اے لوگو؟ میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے لوگو! تم نے وہ آواز سنی جو میں نے سنی؟ لوگوں نے عرض کیا، جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے بھی سنی ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، مجھے اس بات کا اب تک بالکل علم نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی اگر کسی کو پناہ دے تو اس کی بات کا احترام لازم ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: بیٹی! ابوالعاص کی ضیافت اور اعزاز میں کوئی کمی نہیں کرنا، لیکن اس کے پاس مت جانا کہ اب تم ان کے لیے حلال نہیں رہیں۔ [اخرجہ الحاکم: ۳/۲۳۶]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لالا کر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابوالعاص مکہ مکرمہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لیے یہاں آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں کہ تم یہ نہ کہو کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ کھاکر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔ [اخرجہ الحاکم: ۳/۲۳۷]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایک دستہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر فلاں فلاں آدمی تمہیں ملیں تو انہیں جلا ڈالنا، پھر جب وہ لوگ چلنے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے فلاں فلاں لوگوں کو جلانے کا حکم دیا تھا لیکن اب میں یہ کہتا ہوں کہ انہیں جلانا نہیں، کسی اور طرح قتل کرنا، اس لیے کہ آگ کا عذاب دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ [اخرجہ احمد: ۲/۳۰۷]

نوٹ: روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مارنے کا حکم دیا تھا ان ہی میں سے ایک ہبار بن اسود اور دوسرا نافع بن عبد قیس تھا۔

دروس وفوائد

☆ قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے۔

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

☆ شادی کے موقع سے جو ہدیہ یا تحفہ دیا جاتا ہے اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

☆ مقصد تک پہونچنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

☆ سفر میں مرد کا عورت سے آگے رہنا زیادہ محتاط اور محفوظ طریقہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ہندی ماہنامہ
"سچا راہی"

آج کل ہمارے ملک کی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اکثریت صرف ہندی جانتی ہے، ایسے بھائیوں میں اسلامی ثقافت، اسلامی اخلاق اور دینی معلومات عام کرنے کے لیے ندوۃ العلماء نے ہندی ماہنامہ **"سچا راہی"** جاری کیا ہے جو بارہ برسوں سے یہ خدمت انجام دے رہا ہے، **"تعمیر حیات"** کے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے حلقہ کے ہندی دانوں میں اس کا تعارف کرا کر اس کا خریدار بننے کی ترغیب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

"سچا راہی" کا سالانہ زرتعاون -/150 روپے ہے۔

رابطے کے لیے:

منیجر "سچا راہی" ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر 93 لکھنؤ۔ پن نمبر 226007

فون نمبر: 0522 - 2740406

اسوۂ صحابہؓ

حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ

ادارہ

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے اشراف اور سرداروں میں سے ایک ممتاز سردار تھے اور عرب کے چند گنے چنے بہادروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ایسے سخی تھے کہ کبھی ہنڈیا چولہے سے نہ اتری اور ایسے فراخ دل تھے کہ کسی بھی ضرورتمند کی آمد پر ان کے گھر کا دروازہ بند نہ ہوا، بھوکے کو کھانا کھلاتے، خوفزدہ کو تسلی دیتے اور پناہ چاہنے والے کو اپنے ہاں پناہ دیتے، اس کے ساتھ ساتھ وہ بلا کے ذہین اور ذکی ادیب بھی تھے، انہیں نہایت حساس دل ملا تھا، ان کا شعور بہت لطیف تھا، کلام کے تیور پہچانتے تھے اور ایسی بات کرتے جو جادو کا سا اثر رکھتی۔

حضرت طفیلؓ نے تہامہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ معظمہ کا رخ کیا، یہ وہ وقت تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش میں کفر وایمان کی معرکہ آرائی ہورہی تھی، ہر فریق کی خواہش تھی کہ اپنے گرد زیادہ سے زیادہ ہم نوا جمع کرلے اور لڑائی جیتنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اپنے مددگار اور معاون کرلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ہتھیار ایمان کی محکمی اور حق پر یقین رکھنا تھا، اس کے برعکس کفار قریش کوشاں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو رد کردیں اور اس سلسلہ میں ہر حربہ استعمال کریں، یہی نہیں بلکہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے روکیں، یہاں آکر حضرت طفیل بن عمروؓ نے ایسا محسوس کیا کہ میں بغیر کسی تیاری کے غیر شعوری طور پر اس معرکہ آرائی میں شرکت کررہا ہوں اور نہ چاہتے ہوئے بھی کفرو اسلام کی اس لڑائی میں کود پڑا ہوں۔

وہ مکہ معظمہ اس غرض سے نہیں آئے تھے اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کی اس معرکہ آرائی کا خیال ان کے دل میں کبھی آیا تھا، اس وجہ سے حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کی ایک ناقابل فراموش داستان ابھر کر سامنے آتی ہے، یہ دلچسپ داستان واقعی سننے کے لائق ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جونہی میں مکہ معظمہ پہنچا سرداران قریش مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی گرمجوشی سے انہوں نے میرا استقبال کیا اور بڑی ہی عزت افزائی کا ثبوت دیا، پھر تمام سردار اور مکہ کے معززین ایک جگہ جمع ہوئیں، مجھے اپنے پاس بلا کر کہنے لگے، طفیل آپ یہاں تشریف لائے ہیں، یہاں ایک شخص نے بزعم خود نبوت کا دعویٰ کررکھا ہے، اس نے ہمارے خیالات کو چوپٹ کردیا ہے، ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمیں پارہ پارہ کردیا ہے، اندیشہ ہے کہ یہ مصیبت کہیں آپ کی قوم پر بھی نازل نہ ہوجائے، ہماری یہ مخلصانہ تجویز ہے کہ آپ اس شخص کو منہ نہ لگائیں، نہ اس سے کلام کریں اور نہ اس کی کوئی بات سنیں اس لیے کہ اس کی بات میں جادو کا اثر ہے، یہ باپ کو بیٹے سے، بھائی کو بھائی سے، خاوند کو بیوی سے جدا کردیتا ہے۔

حضرت طفیلؓ فرماتے ہیں: بخدا مسلسل مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب عجیب وغریب داستانیں سناتے رہے اور مجھے ڈراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے دل میں ٹھان لیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تک نہیں پھٹکوں گا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کروں گا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی سنوں گا۔

صبح کے وقت جب طواف کعبہ اور بیت اللہ میں رکھے گئے بتوں سے برکت حاصل کرنے لے لیے نکلا جن کی کہ ہم بہت تعظیم کیا کرتے تھے تو ازراہ احتیاط میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ مبادا میرے کانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پڑ جائے، جونہی میں نے مسجد الحرام میں قدم رکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز اور عبادت میں مشغول ہیں، ان کی نماز اور عبادت کا انداز بالکل مختلف تھا، مجھے اس منظر نے گھائل کردیا، آپ کا یہ طریق عبادت مجھے ایسا بھایا کہ رگ رگ میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، دل ہی دل میں محسوس کیا کہ غیر ارادی طور پر آہستہ آہستہ آپ کے قریب ہوتا جارہا ہوں، یہاں تک کہ بالآخر میں بچ بچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگیا، اللہ تعالیٰ کو بھی شاید یہی منظور تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند باتیں سن ہی لوں، چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمدہ اور اچھی باتیں سنیں، اس پر دل میں خیال آیا۔

طفیل بڑے افسوس کی بات ہے!

تو ایک دانشمند شاعر ہے، حسن وقبح کو خوب پہچانتا ہے، یہ شخص جو کچھ بھی کہتا ہے اس کے سن لینے میں حرج ہی کیا ہے؟ اس نے اگر کوئی معقول بات کی تو مان لینا، بری بات کی تو دامن جھٹک کر الگ ہوجانا، جناب طفیلؓ فرماتے ہیں: میں وہاں

مسجد ہی میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت سے فارغ ہو کر اپنے گھر کو چل دیے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوگئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہاں پہنچ گیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سی باتیں کی ہیں، مجھے یہ مسلسل ڈراتے اور خوفزدہ کرتے رہے کہ کہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر متاثر نہ ہو جاؤں، چنانچہ میں نے احتیاط کے طور پر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سن سکوں، لیکن منشاء الٰہی یہ تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بہر حال سنوں، واللہ! میں نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات مجھے اچھی لگی از راہ کرم آپ مجھے اپنا پیغام سنائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے سورۂ اخلاص اور فلق کی تلاوت فرمائی۔

بخدا! اس سے پہلے نہ میں نے اس سے بہتر کوئی کلام سنا تھا اور نہ آپ ؐ کے پیغام سے بڑھ کر عدل وانصاف پر مبنی کوئی اور پیغام میرے کانوں میں پڑا تھا، اس موقع پر میں نے بیعت کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہاتھ پھیلا دیے اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس اقرار کے ساتھ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا، حضرت طفیل ؓ بیان فرماتے ہیں کچھ عرصہ میں مکہ معظمہ ہی میں قیام پذیر رہا اور احکام اسلام کی تعلیم حاصل کرتا رہا حتیٰ الامکان اس عرصہ میں قرآن مجید کے کچھ اجزاء زبانی یاد کئے اور جب میں نے اپنے وطن اور قوم کی طرف لوٹنے کا عزم کیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک ایسا شخص ہوں کہ میرا قبیلہ میری بات مانتا ہے، اب میں ان کے یہاں واپس جا رہا ہوں اور وہ بھی اسلام کا داعی بن کر، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا کر دے کہ جب میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں تو وہ میری مددگار ثابت ہو، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دعا کی۔

الٰہی! ان کو اس طرح کی ایک نشانی عطا کر دے جو ہر اس وقت ان کے کام آئے جب بھی یہ خیر وخوبی کا قصد کریں، میں جب وہاں سے اپنے وطن کی طرف چل پڑا اور اپنی بستی کے قریب ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے قوم کے در و دیوار صاف نظر آرہے تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک میری پیشانی پر چراغ کی مانند ایک روشنی دمک رہی ہے، میں نے خدا تعالیٰ سے التجا کی: الٰہی! اس روشنی کو میرے چہرے کے بجائے کسی اور چیز میں منتقل فرما دے، مبادا کہ میری قوم میرا چہرہ دیکھ کر یہ کہہ دے کہ اپنا آبائی دین چھوڑنے کی یہ سزا ہے، روشنی نہیں، میرا یہ کہنا تھا کہ یہ روشنی میرے چہرے سے ہٹ کر میرے نیزے کے بالائی حصہ میں مرکوز ہوگئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی قندیل نیزے میں جگمگا رہی ہے اور جب میں پہاڑ کی بلندی سے نیچے اتر کر اپنی قوم کے پاس آیا تو سب سے پہلے مجھ سے ملنے کے لیے میرے والد آئے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے، میں نے کہا: ابا جان! مجھ سے دور ہی رہیں میرا اور آپ کا اب کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، والد نے افسردہ ہو کر کہا: لخت جگر! یہ کیسے؟ میں نے کہا: میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی قبول کر لی ہے، باپ نے بیٹے کی بات سن کر کہا: بیٹے اس سے کیا ہوتا ہے، میں بھی وہی دین تسلیم کیے لیتا ہوں جو تیرا دین ہے، میں نے کہا: اچھا آپ غسل کر لیجیے اور اپنے کپڑے دھو کر اجلے کر لیجیے اور آئیے، میں آپ کو وہی تعلیم دوں گا جو میں نے حاصل کی ہے، ابا جان نے میری بات مان لی، غسل کیا اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر قبول اسلام کرنے لیے تیار ہوگئے، میں نے اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً مسلمان ہوگئے، اس کے بعد میرے پاس میری بیوی آئی، میں نے کہا: مجھ سے دور ہی رہو تو اچھا ہے، میرے اور تیرے درمیان اب کوئی ناطہ باقی نہیں رہا، اس نے چونک کر کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیوں؟ میں نے کہا ہم دونوں میں عقیدے کی دیوار حائل ہوگئی ہے، میں نے دین اسلام قبول کر لیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کر لی ہے، اس پر میری بیوی نے کہا: اس میں کیا ہوتا ہے، میں بھی وہی دین اختیار کیے لیتی ہوں جو آپ نے اختیار کیا ہے میں نے کہا: یہ بات ہے تو جاؤ اور ذوالشریٰ کے پانی میں غسل کر کے آؤ۔ (ذوالشریٰ قبیلہ دوس کا ایک معروف بت تھا، جس کے گرد ایک گڑھے میں پہاڑی سے پانی آکر جمع ہو جاتا تھا)۔ بیوی نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ ذوالشریٰ سے ڈرتے نہیں؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں تم پر اور ذوالشریٰ پر ہلاکت نازل ہو، میں کہتا ہوں جاؤ، وہاں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر نہاؤ دھولو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ یہ گونگا، بہرا بت تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، یہ حوصلہ افزاء بات سن کر وہ گئی اور غسل کر کے واپس آگئی، میں نے اس کے سامنے اسلام کی سادہ اور پر تاثیر دعوت پیش کی

جس کو اس نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور وہ مسلمان ہوگئیں۔

اس کے بعد میں نے براہ راست قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہر ایک نے اسلام قبول کرنے سے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا، اس گروہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی تنہا ایسے سلیم الطبع شخص تھے جنہوں نے بغیر کسی تأمل کے اسلام کا پیغام دل کی گہرائیوں میں اتار لیا، حضرت طفیل ؓ بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ معظمہ حاضر ہوا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی میرے ساتھ تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: طفیل صورت حال کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور ؐ! لوگوں کے دلوں میں پردے پڑے ہیں، کفر نے شدت اختیار کر لی ہے اور قبیلہ دوس پر فسق وفجور اور نافرمانی کا خصوصیت سے غلبہ ہے، یہ سننا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، وضو کیا، نماز پڑھی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا، حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا تو میں دل ہی دل میں ڈر گیا کہ مبادا میری قوم کو بددعا دیں اور وہ ہلاک ہو جائے، میں نے افسردگی کے عالم میں کہا: ہائے میری قوم! لیکن رحمت دوعالم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ یہ تھا: الٰہی! دوس کو ہدایت دے، الٰہی قبیلہ دوس کو ہدایت دے، الٰہی قبیلہ دوس کو ہدایت دے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: اب آپ اپنی قوم کے پاس بلا دھڑک جائیں، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور اسلام کی دعوت انہیں دیں۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مسلسل سرزمین دوس میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، یہاں پہنچ کر بدر، احد اور خندق جیسی ہولناک جنگوں کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی، اس دفعہ میرے ہمراہ قبیلہ دوس کے تقریباً اسی گھرانے تھے، جو نعمت اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور ان کی اسلامی حالت بہت بہتر تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ کر نہ صرف بہت خوش ہوئے بلکہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خیبر کے مال غنیمت سے ہمیں بھی مقرر حصہ دیا، ہم نے التجا کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جنگ میں ہمیں میمنہ میں رکھیے (یعنی لشکر کے دائیں پہلو پر) اور لفظ (مبرور) ہمارا شعار مقرر فرما دیجیے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکہ فتح ہوگیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے عمرو بن حممہ کے بت (ذوالکفین) کی طرف روانہ کریں تا کہ میں اسے نذر آتش کرسکوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جانے کی مجھے اجازت دے دی، میں اپنی قوم میں ایک جماعت لے کر اس بت کی طرف چل پڑا۔ جب میں اور ساتھی وہاں پہنچے اور اسے جلا ڈالنے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتا ہوں، ہمارے گرد عورتوں، مردوں اور بچوں کی ایک بھیڑ جمع ہوگئی، یہ سب اس بات کے منتظر تھے کہ اگر ہم نے ذوالکفین بت کو ذرا بھی نقصان پہنچایا تو آسمان سے بجلی گر کر ہمیں بھسم کر ڈالے گی، ان پجاریوں کی موجودگی میں میں بت کی جانب بڑھا اور بت کے عین دل میں آگ بھڑکا دی۔ اس وقت میری زبان پر رجزیہ اشعار تھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے ذوالکفین! میں تیرے پجاریوں میں سے نہیں ہوں، ہماری پیدائش تیری پیدائش سے کہیں پہلے ہوئی، آج میں آگ تیرے دل میں بھڑکا رہا ہوں، یہ اشعار کہے اور اسے نذر آتش کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے اس کو اپنا لقمہ بنا لیا اور یہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا، اس کے جل جانے سے شرک کی جڑ بھی کٹ گئی اور پورا قبیلہ اسلام کی آغوش میں آگیا اور پھر اپنے حسن اسلام کا ثبوت بھی دیا۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے آخر دم تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، آپ ؐ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر فائز ہوئے تو حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یقین دلایا کہ میری ذات، میری تلوار اور میرا بیٹا آپ کی تائید ونصرت کے لیے وقف ہے، جب ارتداد کی جنگیں چھڑیں اور کفر والحاد کا شعلہ بھڑکا تو حضرت طفیل بن عمرو ؓ مسلیمہ کذاب سے جنگ لڑنے کے لیے مسلمانوں کے لشکر میں مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے شامل ہو کر نکل کھڑے ہوئے، اس وقت ان کے ہمراہ آپ کا بیٹا عمر بھی تھا۔

یمامہ کی طرف روانگی کے سلسلے میں ابھی وہ راستہ ہی میں تھے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا اپنے ساتھیوں سے انہوں نے کہا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر معلوم کرنا چاہتا ہوں، ساتھیوں نے دریافت کیا آپ نے خواب میں کیا

دیکھا؟ فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر مونڈ دیا گیا ہے اور ایک پرندہ میرے منہ سے نکل کر اڑ گیا ہے اور ایک عورت نے مجھے اپنے پیٹ میں چھپا لیا ہے، میں نے یہ بھی دیکھا کہ میرا بیٹا عمرو بھی بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے لیکن میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی ہے، تمام ساتھیوں نے کہا: خواب تو اچھا ہے انہوں نے کہا: بخدا میں اس کی ایک تعبیر کی ہے، سر منڈانے سے یہ مراد ہے کہ میرا سر کاٹ دیا جائے گا، پرندہ جو میرے منہ سے نکل کر اڑ گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ میری روح پرواز کر جائے گی اور وہ عورت جس نے مجھے اپنے پیٹ میں چھپا لیا ہے زمین کھودی جائے گی اور مجھے اس میں دفن کر دیا جائے گا، میری دلی تمنا ہے کہ مجھے شہادت کا رتبہ نصیب ہو، رہا میرے بیٹے کا تیزی سے میرے پیچھے بھاگنا تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ بھی میری طرح شہادت کی تلاش میں سرگرداں رہے گا جو میرا مقدر ہے لیکن اسے یہ شہادت کا یہ مقام میرے بعد اس وقت ملے گا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، معرکہ یمامہ میں اس جلیل القدر صحابی حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کو بڑی کڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا اور اس معرکہ میں لڑتے ہوئے اور طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمانے کی سعادت حاصل کی اور ان کا بیٹا عمرو بھی لگاتار دشمنوں سے برسرپیکار رہا، یہاں تک کہ زخموں نے اسے چور کر دیا اور یہ اس طرح ارض یمامہ میں اپنے باپ کو اور اپنا کٹا ہوا ہاتھ چھوڑ کر مدینہ واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن طفیلؓ آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے، دسترخوان بچھا، اس وقت متعدد لوگ آپؓ کے پاس بیٹھے تھے، آپؓ نے سب کو کھانے کی دعوت دی، حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ ایک طرف الگ ہو کر بیٹھے رہے کہ آپؓ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی وجہ سے شرم محسوس کر رہے ہوں۔ جواب دیا: امیر المومنین بالکل یہی بات ہے، آپؓ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم میں اس وقت تک کھانے کو چکھنے والا نہیں جب تک تم اپنا یہ کٹا ہوا ہاتھ اس میں نہیں ڈال دیتے۔ بخدا، اس قوم میں آپؓ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ اس سے پہلے جنت میں پہنچ جائے یعنی ان کا وہ ہاتھ جو کٹ کر ان سے پہلے جنت میں پہنچ چکا ہے۔ حضرت عمرو بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت سے فیضیاب ہونے کا خواب اسی وقت سے نظر آنے لگا تھا جب یہ اپنے باپ سے جدا ہو گئے تھے۔ غزوۂ یرموک نے ان کے خواب کو پورا کر دیا، دیگر مجاہدین کے ساتھ یہ جہاد میں کود پڑے اور دشمنوں سے لڑتے ہوئے اس جام شہادت کو نوش فرمایا جس کی ان کے والد نے تمنا کی تھی، حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو، یہ خود بھی شہید ہوئے اور ایک شہید کے باپ ہونے کا انہیں شرف بھی حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

☆ تحریک اخوان المسلمین (ماضی وحال)

(ترجمہ) از ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

دیباچہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

بیسویں صدی کی ہمہ گیر اور عظیم ترین اسلامی تحریک کا علمی و تفصیلی جائزہ، ایمان و پامردی اور سرفروشی و قربانی کی لازوال داستان۔

تصنیف: محمد شوقی ذکی

صفحات: ۲۸۸ قیمت: ۱۴۰

☆ اسلام اور غیر اسلامی تہذیب

از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ترجمہ مولانا شمس تبریز خاںؒ

رواداری، مدارات اور بقاء باہم کے اصول و حدود کتاب وسنت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں۔

صفحات: ۱۸۴ قیمت: ۱۰۰

نوٹ: طلباء کے لیے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176

Email.airpnadwa@gmail.com

شمع ہدایت

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اہل خانہ نے چرچ کے لیے ہبہ کر دیا اور وہیں نعمت اسلام مل گئی

جاوید اختر ندوی

نومسلم ڈاکٹر محمد مجدی مرجان اس وقت براعظم ایشیا وافریقہ کے مصنفین ومؤلفین کی بین الاقوامی تنظیم کے صدر ہیں، وہ اصلاً عیسائی تھے، اہل خانہ نے ان کو چرچ کے لیے ہبہ کر دیا تھا مگر اللہ رب العزت نے اپنے بندے کے لیے اسلام کی دولت عظمیٰ لکھ دی تھی اور وہ اسلام کی آغوش میں پہونچ گیا، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سامنے یہ بات مکمل طور پر واضح ہوگئی کہ چرچ کے یومیہ اعمال اور انجام دی جانے والی عبادتیں اور تثلیث کے عقیدہ کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں ہے، اس سلسلہ میں ان کے دل نے کبھی اس فلسفہ کو قبول نہیں کیا، چنانچہ انہوں نے یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور دین اسلام کے دامن رحمت ومغفرت میں ان کو سکون ملا، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس توحید خالص کے علاوہ سارے عقائد وادیان باطل ہیں، جو عقل ونظر اور فطرت سلیمہ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اسلام کے سلسلے میں قلبی اطمینان وانشراح کے بعد انہوں نے تین کتابیں تالیف کیں: ۱- "اللہ ایک ہے یا تثلیث"، ۲- "حضرت مسیحؑ معبود ہیں یا بشر"، ۳- اور "محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت ومحبت" لیکن ان کو اپنے اہل خاندان اور عیسائی پادریوں کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، ان لوگوں نے ان کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اللہ رب العزت نے ان کو ان لوگوں کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے نجات دی اور محفوظ رکھا۔

محمد مجدی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ مسلمان آج کے دور میں تہذیب وتمدن کے اعتبار سے بہت پیچھے چلے گئے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اپنے اس آفاقی ولازوال ونجات بخش دین کی لافانی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جو ان کو علوم وفنون کے حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے جو تہذیبوں کی تعمیر کرتے ہیں اور جن کے ذریعہ قوموں اور ملتوں کی ترقی کا ستارہ روشن ہوتا اور اوج اقبال کو پہونچتا ہے۔

دین اسلام قبول کرنے کے تعلق سے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم اس بات کو تاکیدی اور پرزور انداز میں بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے اور خیر کی توفیق سے نوازتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے دین کی ہدایت سے نوازا اور مجھ پر بہت بڑا احسان کیا، اس سے بڑا اور کوئی احسان نہیں ہوسکتا۔

اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں تثلیث کے ایک مدرسہ سے وابستہ ہوا تا کہ اس عقیدے کا میں ایک پرجوش داعی بن جاؤں اور اس کو لوگوں میں عام کروں اور اس کی تعلیم دوں، اسی مدرسہ میں میری تعلیم وتربیت ہوئی اور میں تثلیث کی دعوت دینے لگا اور اس کی تعلیمات اور افکار وعقائد کی نشر واشاعت میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے لگا۔

لیکن میں نے رسول اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک خواب دیکھا جو اسلام کی تعلیمات وہدایات کے غائرانہ مطالعہ کرنے اور اس تک پہنچے کا سبب بنا اور پھر میں نے تمام ادیان و مذاہب کا مطالعہ کیا، اب میں اپنے مسلم بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آپ کو اسلام وراثت میں ملا ہے اور مجھے اسلام مطالعہ کے بعد ملا ہے اور طرح طرح کے خطرات ومسائل کے باوجود اس دین کے قبول کرنے اور برملا اس کے اعلان کا حوصلہ رکھتا ہوں۔

عیسائیت کے ساتھ زندگی کا کس طرح آغاز کیا؟ اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ میرے افراد خاندان چرچ بناتے تھے اور میرے والد کے چرچ کی تعمیر میں مہارت وفنکاری سے تمام پادری اس قدر خوش تھے کہ ان لوگوں نے میرے والد سے کہا کہ ہم آپ کا نہایت اکرام وعزت کریں گے اور آپ کے بیٹے کو اچھی تعلیم وتربیت دے کر چرچ کا ذمہ دار بنائیں گے، اسی وجہ سے بچپن سے میں چرچ کا ہی ہو کر رہ گیا، میں پادری بننے پر فخر کرنے لگا اور مجھے اپنے اردگرد اسلام کے تعلق سے جو کچھ بھی نظر آتا یا اسلام سے متعلق کسی بھی چیز کا تذکرہ ہوتا تو نفرت ہونے لگتی اور ان سے نجات پانے کی فکر میں رہتا، اس لیے مصر کے عیسائی اپنی عیسائیت کے عقائد ورسوم کو حرز جاں بنائے رکھتے ہیں اور بڑے پروگرام اور جشن منعقد کرتے ہیں اور مختلف گھنٹیوں اور برج والے چرچ تعمیر کرتے ہیں۔

لیکن مرور ایام کے ساتھ جس اسلام سے میں نفرت کرتا تھا، اس سے مجھے محبت ہونے لگی اور جس چرچ سے غایت درجہ کی محبت تھی اور جس کام سے میں متعلق تھا، اس عیسائیت سے شدید نفرت میرے دل میں پیدا ہوگئی اور میرے سامنے یہ بات منکشف ہوگئی کہ یہ وہ عیسائیت نہیں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور مجھے مجسموں کی پرستش سے ذہنی و عقلی طور پر الجھن ہونے لگی اور اس دین پر میرا

اطمینان بالکل اٹھ گیا جس کو میں نے اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں پایا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ عقیدہ میری عقل اور میرے دل میں ایک دن کے لیے بھی جگہ نہیں بنا پایا بلکہ برابر میں تردد پس و پیش میں رہا اور دل کے اندر عجیب طرح کی بے چینی شروع سے طاری رہی۔

میں نے محسوس کیا کہ جب مجھے اسلام کی لازوال نعمت ملی اور مجھے اس دین پر اعتماد حاصل ہو گیا تو اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول نے میرے دل کو جھنجھوڑ کر رکھدیا کہ تمام انبیاء آپس میں بھائی بھائی ہیں اور دین اسلام وہ اینٹ ہے جس نے عقیدۂ توحید کی عمارت کی تکمیل کردی، اسی وجہ سے میں نے توحید خالص کو قبول کرلیا جس نے اس تحریف کی نشان دہی کردی جو حضرت عیسیٰ کے بعد سے چلی آرہی تھی۔

قرآن کریم کی تلاوت عیسائیت سے اسلام کی طرف منتقل ہونے میں کس حد تک مددگار رہی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن کریم کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کیا تو مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت مریمؑ کی عفت و براءت کا واضح اعلان کیا اور ان کے احترام میں مکمل ایک سورۃ ان کے نام سے نازل ہوئی اور اپنی کتاب میں رب ذوالجلال نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ". [آل عمران/۴۲] (اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا اے مریمؑ بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا ہے، اور پاک کردیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کرلیا ہے)۔

میں نے انجیلوں میں پڑھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کے متعلق کہا کہ میں اپنے خاص لوگوں میں مبعوث کیا گیا لیکن وہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائے یعنی یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کیا اور ان کی پاک ماں حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اور یہ کہا کہ حضرت مریمؑ نے یوسف نجار سے زنا کیا اور حضرت عیسیٰؑ ولد زنا ہیں، میں نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی کہ اللہ ایک ہے تین نہیں، اور حضرت مسیحؑ اللہ کے نبی ہیں کاہن نہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اہل خانہ کے سلوک و رویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے میرے خلاف جنگ کا اعلان کردیا اور مجھے بار بار جان سے مارڈالنے کی کوشش کی اور میرے خاندان کے لوگ مجھ سے ناراض ہوگئے کہ میں نے ان سے مکمل قطع تعلق کرلیا، ان لوگوں نے میری وجہ سے میری والدہ کو تکلیف پہنچائی اور ان کو ایسا کردیا کہ وہ مجھ کو ناپسند کرنے لگی، میں نے بہت کوشش کی کہ دین و مذہب کے سلسلہ میں بیٹھ کر ان سے کچھ باتیں کروں اور ان میں سے بعض لوگوں کے ساتھ میں نے بات کرنے کی کوشش بھی کی اور رات بھر فجر تک بیٹھا رہا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے صحیح عقیدے پر مجھے مطمئن نہیں کرپایا اور میرا شروع سے یہ عقیدہ تھا کہ دین و مذہب کا تعلق بندہ اور آقا کے درمیان کا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت اور توفیق سے نوازتا ہے۔

موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰؑ کا وہ پیغام کس حد تک پایا جاتا ہے جسے وہ لے کر اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تھے؟ اس کے جواب میں کہتے ہیں موجودہ انجیلوں کے اکثر حصوں کے مضامین بودھ عقیدہ سے ماخوذ ہیں، جو بت پرستی کے قریب ترین ہیں اور بعد میں جن لوگوں نے انجیل میں تحریف کی، انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہیں دیکھا اور حضرت عیسیٰؑ کو وہ ناپسند کرتے تھے، اس لیے ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ انہوں نے انسانی گناہوں کی معافی کے لیے مغفرت نامہ بناڈالیا اور جنت و جہنم کو دنیا ہی میں تقسیم کرنا شروع کردیا، حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنادیا اور ایک اللہ کو تین اقانیم میں تقسیم کردیا، مجھے تعجب ہوا کہ اللہ کیسے اپنے آپ کو پیدا کرے گا اور خود ایک بیٹا بھی پیدا کرلے گا؟

ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ نسخہ جو عبرانی زبان میں ہے اور جس کو دنیا بھر کے یہودی اور عیسائی پڑھتے ہیں، وہ نسخہ "عہد قدیم" کی کتاب کا حصہ ہے جو قدیم مصری حکیم کے آراء وافکار ہیں۔

دین آباء واجداد کی تقلید کا نام نہیں

میں عیسائیوں کے ساتھ بحث ومباحثہ کے دوران ان کو مطمئن کرنے کے لیے اس بات پر زور دیتا ہوں کہ حقیقی ایمان کے حصول کے لیے وراثت میں عقیدہ کا مل جانا اور اپنے آباء واجداد اور اسلاف کی تقلید کرلینا کافی نہیں ہے چنانچہ کسی زمانے میں یہ دین ایسی رسوم ورواج کے پیچھے سرپٹ بھاگنے کا نام نہیں رہا جن کو ہم نے وراثت میں حاصل کرلیا، دین حق تو ہمیشہ اس دعوت کا نام رہا ہے جو حق کی ندا لگاتا ہے اور باطل کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتا ہے، اگر یہ عقیدہ وراثت میں ملا ہوتا تو لوگ باطل سے حق کی طرف نہیں آتے، بتوں کی پرستش سے خالق کائنات کی عبادت کی انہیں توفیق نہیں ملتی اور یہ پوری کی پوری دنیا آج ویسی ہی رہتی جیسی ہزاروں سال پہلے اوہام وخرافات کی وادیوں میں بھٹک رہی تھی۔

تثلیث کو عقل ہرگز قبول نہیں کرتی

میں نے تورات کا بغور مطالعہ کیا، وہ تورات

جس کا مقام یہودیوں کے نزدیک دستوری اور عیسائیوں کے نزدیک بنیادی حیثیت کا ہے، جس کی یہودی تعظیم وتقدیس کرتے اور جس پر عیسائی ایمان رکھتے ہیں، ہم نے پورے مطالعہ کے دوران کہیں بھی کسی کاہن کا قول نہیں پایا جو تثلیث کا قائل ہو اور کسی نبی کی بات دیکھی جو خدا کے متعدد ومرکب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، بلکہ یہودیوں کے تمام علماء اور تورات کے جملہ انبیاء نے یہی کہا کہ معبود واحد کی کوئی شبیہ ونظیر نہیں۔

تہذیبی وتمدنی امور میں مسلمانوں کی پسپائی کے تعلق سے اپنے رائے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے معاملات، ملکی و بین الاقوامی تعلقات کے پہلو کو پس پشت ڈال دیا جو دین کا بہت اہم میدان ہے، اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں" تو اس کی کیا اہمیت اور قدر و قیمت گئی کہ ہم زبانی مسلمان ہونے کا تو دعویٰ کریں مگر اسلامی تعلیمات کا اثر ہمارے روزمرہ کے معاملات میں بالکل نہ ہو اور ہمارا عمل ہمارے دعویٰ کی چغلی کھا رہا ہو، آج مغرب ہر میدان میں آگے بڑھ رہا ہے کیوں کہ اس نے اسلامی اخلاقیات کا گہرا مطالعہ کیا اور دین پر نہ رکھتے ہوئے اس نے دنیا کی تعمیر، راست بازی، امانت داری کے اصول وقواعد کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنالیا۔

مسلمان چرچ کے محافظ ہیں

سوال کیا گیا کہ مغرب نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ عیسائی دنیا بھر میں مسلمانوں کی زیادتی کے شکار ہو رہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ محمد مجدی نے جواب دیا کہ معاملہ بالکل برعکس ہے اور جو کچھ میڈیا میں آرہا ہے وہ سراسر غلط ہے، مسلمان تو عیسائی عبادت گاہوں کی حفاظت کرتے اور ان کا دفاع کرتے ہیں، اور میرے پاس متعدد پادریوں کے بیانات ہیں جن سے میرے اس بات کی تائید ہوتی ہے، اور چرچ پر زیادتی وہ لوگ کرتے ہیں جو فسادی ہوتے ہیں اور جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اس میں مسلمان کا بالکل ہاتھ نہیں ہوتا۔

عیسائیوں میں دعوت اسلام

عیسائیوں میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ جو بھی مجھ سے گفتگو کرنا چاہے اور اس میدان میں میری ضرورت محسوس کرے، میں اسے ہرگز منع نہیں کرتا، میں تو برابر تصنیف وتالیف میں مشغول رہتا ہوں خواہ مقالات ہوں یا کتابیں، جن میں عیسائیوں کے غلط عقائد وخیالات اور بے بنیاد عقیدوں کی تردید کرتا ہوں، لیکن کچھ مجبوریوں اور ذمہ داریوں کی وجہ سے دعوتی میدان میں پورا وقت نہیں دے پارہا ہوں، میری کتاب "اللہ ایک ہے یا تین" نے اس عقیدہ تثلیث کے بطلان کو لوگوں کے سامنے کھول کر رکھدیا اور عقلی دلائل سے اس غلطی کو فاش کردیا اور یہ ثابت کردیا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ تمام کے تمام صفات وکمالات اور بے شمار اسماء جن میں سے ننانوے اسماء منقول ہیں، وہ صرف اور صرف اسی ایک اللہ کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک ونظیر نہیں، یہ صفات واسماء اللہ کی قدرت کا پتہ بتادیتے ہیں اور قوت وعظمت کو اسی کے لیے خاص کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: "وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ". [سورہ قصص/۷۰] (اور وہی خدا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے، اور اسی کا حکم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے)۔

اور وہ کہتا ہے: "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى". [سورہ طٰہٰ/۸] (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کے (سب) نام اچھے ہیں۔

اور تثلیث کی دعوت اور تثلیث کے ماننے اور عقیدہ رکھنے والوں کے سلسلہ میں کتاب الٰہی کا قول فیصل ہے: "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ". [سورہ مائدہ/۷۳] (وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اگر یہ لوگ ایسے اقوال وعقائد سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں، وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے)۔

اس کے علاوہ بھی میں نے کتابیں لکھی جن میں عیسائیوں کے لیے چشم کشا حقائق پیش کیے گئے ہیں جیسے "حضرت مسیحؑ انسان ہیں یا معبود" اور "حضرت محمدؐ نبی رحمت ومحبت" وغیرہ

میرے مشاہدہ میں یہ بات آئی کہ بہت سارے عیسائی اس کا کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام ہی دین برحق ہے، لیکن اس کو قبول کرنے سے احباب و خاندان کا خوف، دینی عصبیت اور ذلت ورسوائی کا ڈر آڑے آتا ہے لیکن عقلی وقلبی طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ گرجا گھروں میں جو کچھ کہا اور کیا جاتا ہے وہ غیر روحانی اور غیر معقول اقوال واعمال ہیں، ان سب کا علاج اور مداوا صرف شہادتین (أشهد أن لا اله الا اللّٰه وأشهد أن محمداً رسول اللّٰه) کے اقرار وایمان میں مضمر ہے۔

رب کریم ہم سب کو اپنے دین کامل ومکمل پر کامل اتباع کی توفیق سے نوازے، آمین۔

☆☆☆☆☆

(تسخیر قلوب)

جنوبی امریکہ میں اشاعت اسلام

شفیق الاسلام فاروقی

میرے والدین کا تعلق جنوبی امریکہ کے ملک پوٹوریکو سے ہے جسے عربی زبان میں "بوریکا" کہا جاتا ہے میں تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں، میری پیدائش نیویارک میں ہوئی لیکن پرورش پوسٹوریکا اور نیو جرسی میں ہوئی، میری والدہ اپنی شادی سے قبل نیو یارک میں لڑکیوں کے ایک کانونٹ اسکول میں ایک راہبہ (Nun) کے طور پر ٹیچر تھیں۔ جس میں پچاس لڑکیاں زیر تعلیم تھیں اور فیڈھم یونیورسٹی میں "فزیالوجی" کے مضمون میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک راہبہ کے طور پر زندگی گزار رہی تھیں لیکن ذہن میں مذہب کے بارے میں بہت سے سوال اٹھتے رہتے تھے، جن کا جواب نہیں مل رہا تھا، چنانچہ کانونٹ اسکول کی ملازمت چھوڑ کر میرے والد سے شادی کر لی، تاہم ہم تینوں بھائیوں کی صبح سویرے اور رات کو سونے سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور "دعا" ہمارا معمول بنا دیا تھا کہ وہ ہمارا رازق ہے اور ہم اس کے شکر گزار ہیں، جبکہ میری والدہ پورٹوریکو چلی آئیں اور یہاں آکر پڑوس کی بچیوں کے لیے ایک چھوٹا سا مذہبی اسکول کھول دیا۔

میرے والد نہ صرف خود ایک بڑے محنت کار تھے بلکہ ہم بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے تاکہ ہمارے اندر بھی اوائل عمر سے ہی اپنے اندر مستقبل کے لیے خود اعتمادی پیدا ہو۔

باسکٹ بال کا شوق اور اسلام

باسکٹ کا شوق بچپن ہی سے تھا، میں خود تو اس کھیل کا کھلاڑی نہ تھا لیکن یہ کھیل دیکھنے کا شوقین تھا، ان دنوں شکاگو کی ایک باسکٹ بال ٹیم میں مائیکل جارڈن بڑا مشہور کھلاڑی تھا اور اس کی وجہ سے شکاگو ٹیم نے تین مرتبہ اس کھیل کی چمپئن شپ جیتی، لیکن یہ کھلاڑی ریٹائر ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرے کھلاڑی "کیرس جیکسن" نے سنبھالی، جس نے بعد ازاں اسلام قبول کر لیا اور "عبدالروف" اپنا اسلامی نام رکھا، یہ میرا ایک محبوب کھلاڑی تھا، ایک مرتبہ میں اس کے بارے میں ایک کتابچہ کا مطالعہ کر رہا تھا جس میں اس کے قبول اسلام کی تفصیل کے علاوہ اس کے نام کا مطلب بھی درج تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبول اسلام کے بعد اس نے مکہ شریف جا کر حج کی سعادت بھی حاصل کی۔

تھوڑا عرصہ بعد یہ ٹیم گوشۂ گمنامی کا شکار ہو گئی، لیکن اس کے بعد نیویارک اور نیو جرسی کی دو ٹیمیں میدان میں اتریں، چونکہ میری پیدائش نیویارک کی تھی، لہٰذا میری دلچسپی نیویارک کی ٹیم میں زیادہ تھی، اس ٹیم میں ایک نومسلم 'حکیم اولی جوان' کی شہرت کی بڑی کہانیاں تھیں، ایک مرتبہ ماہ رمضان میں ایک کھیل کا مقابلہ تھا، روزے سے ہونے کے باوجود اس کا کھیل اتنا عمدہ تھا کہ ان کی ٹیم نے کھیل جیت لیا۔

اس کی فتح نے اسلام کے بارے میں میرا دل قدرے موہ لیا، لیکن مذہب کے بارے میں ابھی دلچسپی اتنی زیادہ نہ تھی، ادھر میری والدہ کو بھی اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے "چرچ" سے کوئی زیادہ دلچسپی نہ رہی، حتیٰ کہ میری والدہ کے کمرے میں جو مسیحی بزرگوں کے تراشیدہ بت تھے ان پر پھول چڑھانے والا عمل بھی چھوڑ دیا۔

یہ میری نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے نیوجرسی کے یونین ہائی اسکول میں داخلہ لیا، اسکول میں داخلہ لینے کے بعد جلد ہی میں نے سگریٹ نوشی شروع کر دی کہ میرے دیگر ہم جماعت بھی سگریٹ پیتے تھے، اسکول سے چھٹی کے بعد میں اسکول کے دیگر طلبہ کے ساتھ باسکٹ بال کھیلنے جاتا، جب دیگر طلبہ کھیل کے دوران ذرا ستاتے تو یہ طلبہ شراب نوشی کرتے، ان کے ساتھ میں نے بھی شراب نوشی شروع کر دی، خرابیوں کا یہ سلسلہ صرف سگریٹ اور شراب نوشی تک محدود نہ رہا بلکہ اب کلبوں میں بھی جانا شروع کر دیا، جہاں دونوں خرابیوں کے ساتھ لاطینی زبان میں گانے بجانے کی محفلیں بھی ہوتی تھیں۔

انھیں دنوں ایک اور حادثہ پیش آیا کہ میرا ایک ہم جماعت دریا میں ڈوب کر جاں بحق ہو گیا، اس کی عمر ۱۸ سال تھی، ان دنوں جس کمرہ میں رہائش پذیر تھا، اس میں کولمبیا سے تعلق رکھنے والا میرا دوسرا ساتھی کارلوس ہمینڈینڈ تھا جو مطالعے کا بڑا شوقین تھا، ایک دن ہم ایک پبلک لائبریری گئے، اگرچہ میں اچھی عادتوں کا مالک نہ تھا لیکن اس کی وجہ سے مطالعہ کا شوقین ہو گیا تھا، چنانچہ میں نے لائبریری سے قرآن کریم کا ایک نسخہ چرا لیا، ابھی چند دن گزرے تھے کہ میرے دو ساتھیوں نے اپنے ہی ایک ساتھی کو قتل کر دیا جس کے ساتھ میرا گہرا تعلق تھا، اس واقعہ نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا اور میرا ذہن ان تین باتوں پر مرتکز کر دیا:

۱-موت کا کوئی وقت مقرر نہیں

۲-بیماری

۳-اپنے گھر والوں کی خیر و عافیت

جبکہ سوائے اپنے والدین کے میرا تمام انسانوں سے اعتماد اٹھ گیا، لیکن میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میرے والدین آئندہ زندگی کے بارے میں میری رہنمائی نہیں کر سکتے، البتہ میرے دل میں ایک لہر اٹھی کہ خدا کی تلاش کروں۔

روحانیت کی طرف میرا سفر

میرا یہ سفر ۱۹۸۸ء میں شروع ہوا، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ صحیح راستہ کیا ہے؟ پڑوس میں چند گرجا گھر تھے، میں ہر گرجا گھر گیا اور ان گرجا گھروں سے بائبل کے چھ نسخے اکٹھے کیے اور دیکھا کہ ہر نسخہ دوسرے سے مختلف ہے اور ہر نسخے کا ہر باب دوسرے سے مختلف، ایسے میں مجھے قرآن کریم یاد آیا جو میرا دوست کارلوس میرے گھر چھوڑ گیا تھا، چنانچہ جہاں میں نے اس کے ترجمہ کا مطالعہ شروع کیا، وہاں اس کے ساتھ بائبل بھی دیکھتا رہا، دلچسپی کی بات ہے کہ بائبل کے ایک تازہ نسخے میں ایک فقرہ "شاہ رچرڈ" کا منقول تھا کہ بائبل کے تمام نسخوں میں غلطیوں کی بھرمار ہے، اس کے بعد بائبل کے بارے میں میرا دل اچاٹ ہو گیا کہ یہ تمام نسخے انسانی کلام ہیں نہ کہ خدا کا کلام۔

اس کے بعد میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، یہ ترجمہ علامہ عبداللہ یوسف علی کے قلم سے تھا، جس کے دیباچہ میں یہ تحریر تھا کہ "قرآن کریم انبیائے کرام حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے کے پیغامات کی توثیق کرنے والی کتاب ہے اور چودہ صدیوں بعد بھی اس میں زیر و زبر کی تبدیلی نہیں آئی بلکہ ہر دور میں اس کے لاکھوں حافظ بھی چلے آرہے ہیں"۔ دیباچہ کے اس جملہ نے مجھے بڑا متاثر کیا۔

قرآن کریم کے ترجمہ کے مطالعہ کا اہتمام

اس کے بعد میں نے باقاعدگی سے اس ترجمہ کا پڑھنا اپنا معمول بنایا، اس کے مطالعہ سے جس روحانیت کی تلاش تھی وہ مجھ کو مل گئی تا آنکہ میں نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۸ پڑھی۔

"نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے"۔

اس آیت کے پڑھنے کے بعد میں نے اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر خاموشی سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا معمول بنا لیا، اسی معمول سے میرے اندر غیر معمولی حوصلہ پیدا ہوا، ہر روز جتنا پڑھتا تھا، میرے حوصلے میں اضافہ ہوتا چلا گیا، میرا یہ معمول جاری تھا تا آنکہ سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰، ۷۱ مطالعہ میں آئیں۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا"۔

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا، اس نے بڑی داد پائی"۔

جیسے ہی میں نے ان دو آیات کا ترجمہ پڑھا، ویسے ہی میں نے خود یہ کوشش کی کہ اپنی زبان پر قابو پاؤں اور زیادہ سے زیادہ خاموش رہوں۔

اس کے بعد باقاعدگی سے روزانہ پورے ۹ ماہ قرآن کریم کا ترجمہ اس نیت سے پڑھتا رہا کہ قرآن کریم کے جو احکام ہیں ان پر عمل بھی کروں، چنانچہ آہستہ آہستہ میرے اندر شراب نوشی اور سگریٹ نوشی کی جو بری عادتیں تھیں وہ میں نے آہستہ آہستہ ان ۹ ماہ میں ترک کر دیں اور قرآن کریم کے روزانہ پڑھتے رہنے سے میرے اندر خود اعتمادی کی فضا پیدا ہو گئی، ان ۹ ماہ میں روزانہ قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ مشرف باسلام ہو جاؤں، چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۹ء کے روز میں "یونین سٹی" کے "نارتھ ہڈسن اسلامک ایجوکیشن سینٹر" کے پریسیڈنٹ شیخ محمد الحائق کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا، جب کہ شیخ صاحب نے مجھے پیشکش کی کہ اس سینٹر میں دوسرے نومسلم طلبہ کے ساتھ دین کا علم حاصل کروں، چنانچہ میں دو سال نہ صرف اس سینٹر میں علم حاصل کرتا رہا، بلکہ میرے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ہسپانوی زبان میں درس اسلام

۲۰۰۲ء میں میں نے شیخ الحائق کی ہدایت پر ہسپانوی النسل نومسلموں کے لیے ہسپانوی زبان میں درس اسلام کا سلسلہ شروع کیا، بلکہ ان ہسپانوی النسل غیر مسلموں میں دعوت دین پھیلانے کا سلسلہ شروع کیا، یہ سلسلہ ۲۰۰۴ء تک جاری رہا۔

الازہر یونیورسٹی میں

۲۰۰۴ء میں مجھے الازہر یونیورسٹی میں ایک اسکالرشپ کی پیش کش موصول ہوئی جو میں نے منظور کر لی، جس میں "اقرا انسٹی ٹیوٹ" میں عربی زبان میں مہارت اور الازہر یونیورسٹی میں "اسلامک اسٹڈیز" مضامین شامل تھے، یہ اسکالر

شپ پانچ سال کے لیے تھا لیکن میں نے ۲۰۰۷ء میں نے تین سال کے عرصہ میں یہ فضیلت حاصل کرلی جو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، ان تین سالوں کے دوران دیگر کئی ممالک کی بڑی شخصیتوں کے علاوہ کئی ہسپانوی النسل بھائی بہنوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں، جن میں کولمبیا کے عبدالرحمٰن خیرۃ اور ارجنٹائن کے شیخ عثمان، ڈاکٹر جوآن یحییٰ مقولو اور ادارہ Islam an spanish کے بانی ڈاکٹر محمد فلیچر قابل ذکر ہیں، ان کے ساتھ یہ موضوع زیر بحث تھا کہ ہسپانوی النسل لوگوں میں دعوت اسلام کو کیسے فروغ دیا جائے؟

ہسپانوی النسل عوام میں اسلام

۲۰۱۰ء میں میں نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ نیوجرسی سے ہوسٹن نقل مکانی کرلی، اس نقل مکانی کی دو وجوہات تھیں۔

پہلی وجہ: ایمان اکادمی اسلامک اسکول میں بطور ایک استاد تقرری

دوسری وجہ: ہسپانوی النسل عوام میں اشاعت اسلام اول الذکر سے بڑھ کر میرے سامنے بذریعہ میڈیا اشاعت اسلام کا مشن کہیں زیادہ اہم تھا، جس کی بنیاد جناب محمد مجاہد فلیچر نے ڈالی تھی، جن سے "الازہر" میں میرے تعلقات قائم ہوئے تھے، آپ نے Voice of islam in spainish کے نام سے چینل قائم کیا ہے، الحمدللہ اس میں ہمارے پانچ پروگرام کام کررہے ہیں۔

ٹیکساس سے امارت کی پیش کش

ہوسٹن میں دعوت دین اور اشاعت اسلام کے مشن میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ زندگی کے بڑے خوشگوار دن گزار رہا تھا کہ ۲۰۱۱ء کے اواخر میں مجھے ریاست ٹیکساس کے شہر "بیومائٹ" کی پیش کش موصول ہوئی، جو اگرچہ بڑی دل کش تھی، لیکن چونکہ میں یہاں ہوسٹن میں مع اہل خانہ ہر طرح سے خوش تھا، تاہم میں نے اپنی وفاشعار بیوی سے مشورہ ضروری خیال کیا، چنانچہ جب اس سے مشورہ کیا تو اس نے جواب دیا "ہمیں وہاں جانا چاہیے"۔ اس جواب پر میں نے نماز استخارہ کے نوافل کے بعد دوبارہ غور کیا تو محسوس کیا کہ یہ پیش کش قبول کرنے کے نتیجے میں دعوت دین کا کام متاثر نہ ہوگا، بلکہ خانگی زندگی بہتر ہونے کے ساتھ میں وہاں ایک عمدہ مثال بھی ہوں گا، میں نے اپنی والدہ، اپنے دوستوں اور دیگر افراد سے بھی مشورہ کیا اور اس طرح بالآخر یہ پیش کش قبول کرلی جو ریاست ٹیکساس کے شہر Triplex کی اسلامک سوسائٹی کی طرف سے تھی۔

ماہ جنوری ۲۰۱۲ء میں اس سوسائٹی نے ایک اسکول "الہدایہ اسکول" کی بنیاد رکھی جس میں میں نے شرکت کی، اس اسکول کا مشن تعلق باللہ کو بڑھانا کہ وہ کائنات کا خالق و مالک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری پیغمبر ہیں، اور قرآن کریم تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

"الہدایہ اسکول" میں عربی زبان اوا اسلامیات کی تعلیم تلاوت قرآن کریم کے علاوہ باسکٹ بال اور اخلاقیات پر زور ہے۔

یہ ہے میری زندگی کا مختصر سفر، کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی عظیم رحمت ہوگی لیکن یہ بات ضرور ہے کہ میں قدم بہ قدم "حق" کی تلاش میں تھا، البتہ یہ اس خالق و مالک کائنات کا خاص کرم ہے کہ میں جو قدم آگے بڑھاتا تھا، امید سے زیادہ کامیابی پاتا تھا، یہ اس کا خاص کرم ہے کہ اس نے ایک "گمشدہ روح" کو تباہی سے بچایا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ایک طرف تو قوم یہود کی طرح ملکوں کے ملک روایتی مسلمان ہیں، جو ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ دوسری طرف ایک براعظم (جنوبی امریکہ) جہاں کے عوام اسلام اور اس کی تعلیمات سے بالکل بے خبر ہیں، وہاں کے ایک شخص کو مشیت الٰہی نہ صرف مشرف بہ اسلام کرتی نظر آتی ہے، بلکہ اسے ایک بڑے داعی دین ہونے کا شرف بخشی ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ دفتر مالیات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے محرر مولانا محمد ثناء اللہ کے بہنوئی مولانا عبیداللہ مظاہری کا ۲۷/نومبر ۲۰۱۳ء کو اپنے آبائی وطن میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم پوری زندگی دعوت و تبلیغ سے منسلک رہ کر دین کی خدمت کرتے رہے، پسماندگان میں والدہ، بھائی، اہلیہ، چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک طالب علم (متعلم عالیہ رابعہ شریعہ) کی طبیعت سال گذشتہ سالانہ امتحان کے دوران بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی، پہلے سحر ہسپتال لکھنؤ میں، پھر اپنے وطن بمبئی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج رہے، اور وہیں ان کا ۸/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ رب العزت ان سب کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کوئی شخص اپنی اولادوں میں سے کسی ایک کو اپنا پورا مکان اپنی حیات ہی میں دیدے اور دوسری اولادوں کو نہ دے تو کیا شرع میں اس کی گنجائش ہے؟ جس لڑکے کو دے رہے ہیں، والدین ان سے خوش ہیں اور جن کو نہیں دے رہے ہیں، ان سے والدین ناخوش ہیں، کیا والدین کے لیے ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: اولاد کے درمیان عدل ومساوات ضروری ہے، کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینا ظلم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے درمیان مال کی تقسیم میں تفریق سے منع فرمایا ہے اور برابری کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے: "اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوْا فِیْ أَوْلَادِکُمْ"۔ [مسلم شریف، حدیث/۴۱۸۱]

سوال: ورثاء کے درمیان میراث کی تقسیم ہو، اور کوئی چیز بچ رہی ہو مثلاً گاڑی ہو اور ہر ایک لینے کا خواہشمند ہو، اس کی تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: مال متروکہ میں کوئی چیز تقسیم کے لائق نہ ہو تو ورثاء کے درمیان اس کی تقسیم کی صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت لگادی جائے اور قرعہ اندازی کرلی جائے جس کے نام قرعہ نکلے اسے وہ چیز دیدی جائے اور قیمت ہر ایک میں ان کے حصہ کے بقدر تقسیم کردی جائے، حدیث شریف سے قرعہ اندازی کی اجازت ملتی ہے۔ [صحیح مسلم ۲/۲۸۶، حدیث ۶۲۹۸]

سوال: آجکل ہمارے ہندوستان میں لڑکیوں کی شادی میں لڑکے والوں کے مطالبہ پر کافی رقم یا جہیز کے نام پر کافی قیمتی سامان دینے پڑتے ہیں، کیا ان رقوم اور سامان جہیز کو میراث میں منہا کرنا درست ہوگا؟

جواب: وراثت کا تعلق ان اموال سے ہے جو مورث کی موت کے بعد بچ رہے ہوں، زندگی میں لڑکوں یا لڑکیوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہبہ کے حکم میں ہے، ہبہ کی وجہ سے وراثت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جہیز یا تلک کی رقم وراثت میں منہا نہیں ہوگی اور لڑکیوں کو وراثت میں پورا پورا حق ملے گا۔ [بدائع الصنائع: ۹/۵]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا، جسکی کوئی اولاد نہیں ہے، وارثین میں بیوی اور بھائی وغیرہ ہیں، مورث کے پاس ایک ذاتی مکان ہے۔ اس مکان میں بیوی کا کتنا حصہ ہوگا؟ شوہر نے مہر ادا نہیں کیا تھا تو کیا مہر کے بقدر اس مکان میں حصہ ملے گا؟

جواب: مورث لاولد ہے اور ورثاء میں بیوی اور بھائی ہیں تو بیوی کا حصہ ایک چوتھائی ہوگا بقیہ مال بھائیوں کو ملے گا، لیکن وراثت کی تقسیم سے قبل مہر ادا کرنا واجب ہے، مکان کی قیمت لگائی جائے گی مہر کے بقدر قیمت الگ کرنے کے بعد بقیہ رقم چار حصوں میں تقسیم ہوگی ایک حصہ بیوی کو ملے گا، اور بقیہ تین حصے بھائیوں کو ملیں گے، گویا بیوی کو مہر کی رقم پھر باقی ماندہ میں ایک چوتھائی رقم ملے گی: "وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ" [سورہ نساء/۱۲] (اگر اولاد نہ ہو تو تم نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں بیویوں کو ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں صرف ایک لڑکا اور شوہر ہے، مال متروکہ کی تقسیم کیسے ہوگی؟

جواب: عورت کے ذمہ اگر قرض ہو تو اس کی ادائیگی کی اگر وصیت کی ہو تو ایک تہائی میں وصیت نافذ کرنے کے بعد جو مال بچ رہا ہو اس میں شوہر کو ایک چوتھائی حصہ ملے گا، اور بقیہ لڑکوں میں تقسیم ہوگا: "فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ" [سورہ نساء: ۱۲] (اگر اولاد ہو تو تم کو ایک چوتھائی حصہ ملے گا بیوی کے چھوڑے ہوئے مال میں وصیت اور دین ادا کرنے کے بعد)۔

سوال: ایک پاگل شخص (جن کی کئی اولادیں ہیں) کے والد کا انتقال ہوگیا ہے، انہوں نے جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سب چھوڑا ہے، ورثاء آپس میں تقسیم کررہے ہیں لیکن پاگل کی اولادوں کو نہیں دے رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ پاگل کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا ہے؟ اس بارے میں اسلامی شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب: پاگل بھی وارث ہوتا ہے اور مورث کے مال متروکہ میں ان کو بھی حصہ ملے گا، اس لئے پاگل کی اولاد مذکورہ صورت میں اپنے والد کا حصہ لینے کے حقدار ہیں۔ [الدر مع الرد: ۱۰/۵۰۳]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے وارثین موجود ہیں، کیا کوئی وارث دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر مرحوم کے مال متروکہ میں سے برائے ایصال ثواب فقراء پر خرچ کرسکتا ہے؟

جواب: اگر مال مشترک ہو، تقسیم شدہ نہ ہو تو تمام ورثاء کی اجازت کے بغیر تنہا کوئی وارث تصرف نہیں کرسکتا خواہ کار خیر ہی کیوں نہ ہو۔ [حوالہ سابق]

☆☆☆☆☆

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
Shop: 9415002532
2613736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

پروپرائٹر: محمد اسلم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

MAQBOOL JEWELLERS

مقبول جویلرس

جوتے والی گلی امین آباد

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

MOHD. RAIS AYYUBI
Hafiz
Tailors
SPECIALIST IN : SUIT & SHERWANI
Mobile :9415467665

Phone: 0522-3058047

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties

menmark®
Men's Exclusive
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

پروپرائٹر: ولی اللہ

ولی اللہ جویلرس

WALIULLAH
Jewellers

ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY

Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TEGORE MARG,
LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)
Phone : 0522-2741231

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)
فون نمبر : ۰۵۲۲-۲۷۴۱۲۳۱

Date 17/10/2013

تاریخ یکم ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، اور طالبان علوم نبوت جوق در جوق آ کر اس سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہو رہے ہیں، طلباء کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم کی مسجد میں مزید نمازیوں کے لیے گنجائش نہیں رہ گئی ہے، بارش یا دھوپ میں طلباء کو بہت تکلیف ہوتی ہے، اس صورت حال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر مسجد کی مزید توسیع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

مسجد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع صحن کے نیچے بیسمنٹ اور صحن پر چھت ڈال کر اس کے اوپر ایک منزل تعمیر کرنے کا منصوبہ ہے، جس پر مبلغ -/1,94,59,700 (ایک کروڑ، چورانوے لاکھ، انسٹھ ہزار، سات سو) روپے خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے اور مسجدوں کی تعمیر میں اللہ نے جو اجر و ثواب رکھا ہے اس کے مستحق بن سکیں گے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''جو کوئی اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کرائے گا''۔

(مولانا مفتی) محمد ظہور ندوی	(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم	معتمد تعلیم	معتمد مال	مہتمم دارالعلوم	ناظر عام
ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء

چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
A/C NO. 10863759733
(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اس پتہ پر ارسال کریں:
NAZIM NADWATUL ULAMA,
P.O. BOX NO. 93, TAGORE MARG,
LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (0522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address:nadwa@sancharnet.in/ website: www.nadwatululama.org.